بانی

حضرت مولانا عامر عثمانیؒ

مدیر

مولانا حسن احمد صدیقی

فاضل دارالعلوم دیوبند

منیجر ابوسفیان عثمانی

حسن احمد صدیقی ۔ فاضل دارالعلوم دیوبند

آغازِ سخن

بچپن سے سنتے آئے تھے کہ دیوبندی اور بریلوی اختلاف سنت و بدعت اور ہدایت و ضلالت کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف ٹھوس بنیادوں اور مستحکم قرینوں پر قائم ہے ۔

کچھ شعور پیدا ہوا اور بغرض تعلیم مکتب میں داخل ہوئے تو وہاں بھی یہی چرچے سننے کو ملے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نام کے کسی شخص نے ایک دین ایجاد کیا ہے اور یہ دین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کئے ہوئے دین سے جداگانہ ہے ۔

شعور میں پختگی آئی اور کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کا سلیقہ پیدا ہوا تو علمائے دین کی تصانیف پڑھنے کے بعد ہم بذات خود اس نتیجہ پر پہونچے کہ دیوبندی اور بریلوی اختلاف ایک اہم ترین اختلاف ہے اور اس کی جڑیں بہت گہری ہیں ۔

کچھ اور بڑے ہوئے تو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا ۔ وہاں بھی اساتذہ کے زبانی یہی سب کچھ سننے کو ملتا رہا اور پے در پے اس بات کی تصدیق و توثیق ہوتی رہی کہ دیوبندی و بریلوی اختلاف بے اساس نہیں بلکہ اس کی ایک بنیاد ہے اور اسی بنیاد پر اختلاف و افتراق کی یہ لمبی چوڑی عمارت تعمیر ہوئی ہے ۔

علمی استعداد میں کچھ پختگی اور وسعت پیدا ہوئی تو قرآن و حدیث کی مبسوط تفاسیر و شروحات اور تاریخ و سیر کی مستند کتابیں دیکھنے کا موقعہ ملا ۔ اور پھر کئی سال کی عرق ریزی اور مغز زنی کے بعد خود ہمارے دماغ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا

ایجاد کردہ دین دینِ مدنی سے کافی مختلف ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تو یہ تھی کہ خدا کے علاوہ کسی کے آگے اپنا سر نہ جھکاؤ خدا کے سوا کسی کو سمیع و بصیر اور علیم و خبیر نہ جانو. خدا ہی مختارِ کل ہے وہی حاجت روا ہے وہی رازق ہے وہی پیدا کرتا ہے وہی مارتا ہے دونوں جہان کے تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے دستِ قدرت میں ہیں لیکن مولوی احمد رضا صاحب کے ایجاد کردہ دین میں یہ تمام باتیں نظر نہیں آئیں۔ بلکہ وہاں جو کچھ نظر آیا وہ دینِ مدنی کی تعلیمات سے بالکل مختلف تھا۔ انکی کتابیں ٹٹولنے سے اندازہ ہوا کہ پیشانیاں خدا کے در کے علاوہ بزرگوں کے مزارات پر بھی جھکائی جاسکتی ہیں۔ خدا تک دعائیں پہونچانے کے لئے بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا بھی انتہائی ضروری ہے خدا اپنے نمائندوں کی سفارش کئے بغیر کسی کی دعا نہیں سنتا۔ بریلویوں کے نزدیک خدا کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرنا، دوسروں کو بھی مشکل کشا اور قاضی الحاجات سمجھنے کہنے اور باور کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ان کے دین کا عین تقاضہ یہ ہے کہ بزرگوں کی بزرگی مسلم کرانے کے لیے ان کے اندر خدائی صفات ثابت کی جائیں۔

بریلوی حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ مغیبات کا علم خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو بھی حاصل ہے اس خیال کے پیشِ نظر وہ رسولِ خدا اور دوسرے برگزیدہ بندوں کو "عالم الغیب" تصور کرتے ہیں۔

اس طرح کی تفاصیل سے واقف ہو جانے کے بعد اس بات کی گنجائش کہاں تھی کہ بریلوی حضرات کے بارے میں کوئی نرم گوشہ ہمارے قلب میں پیدا ہو جائے۔ چنانچہ جوں جوں عمر بڑھتی رہی اختلاف شدید اور شدید تر ہوتا چلا گیا۔ اور اس شدید ترین اختلافات کی وجہ صرف یہ تھی کہ بریلوی حضرات بدعتوں کو فروغ دے کر گمراہیاں پھیلانے کا کاروبار کر رہے تھے، حالانکہ بدعت جیسی منحوس چیز کے بارے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف اعلان یہ ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے۔

بریلوی حضرات سے اختلاف نہیں اس بنا پر نہیں تھا کہ ان کے اعلیٰ حضرت صاحب بریلی میں پیدا ہوئے تھے اور ہم دیوبند کے رہنے والے ہیں اور یہ اختلاف اس بنا پر بھی نہیں رہا کہ اعلیٰ حضرت اور ان کے حواریین نے ہمارے بزرگوں کی پگڑیاں اچھالی تھیں لہٰذا ہم بھی عمر بھر ان کو اور انکے مریدوں کو گالیاں اور زہریلے فتوے عطا کرتے رہیں گے نہیں بخدا نہیں۔ بریلوی حضرات

سے شدید ترین اختلاف کی وجہ صرف یہی تھی کہ ہم انھیں بدعتوں کا موجد اور بدعت پناہ سمجھتے تھے "ارباب بدعت" کا نام دیکر ہم بریلوی حضرات سے برسر پیکار رہے۔ زمانۂ ماضیہ میں ہم نے بدعات کی تار پود بکھیرنے اور ارباب بدعت کی قلعی کھولنے کے لئے متعدد کتابیں بھی شائع کیں جن میں بدعت کیا ہے؟ فتنۂ الغیب۔ رد بدعت شرک و بدعت کے چور دروازے، اور اسلام اور کفر کی حقیقت کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کتابوں سے خاطر خواہ فائدہ بھی پہونچا۔ چنانچہ جہاں جہاں یہ کتابیں پہونچیں وہاں وہاں بدعات و خرافات کے پرخچے اڑ کر رہ گئے اور بے شمار بدعتی ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد تائب ہوکر اہل سنت والجماعت میں شامل ہو گئے ہمارا یقین تو آج تک یہی ہے کہ بریلوی حضرات بہت سی بدعات و خرافات کے بانی ہیں اور اپنی تیار کردہ اشیا کو دنیا بھر میں پھیلاتے رہنے کی خدمت میں مصروف ہیں لہٰذا احتیاط، سنجیدگی، شرافت اور معقولیت کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے خلاف مختلف انداز میں محاذ آرائی کرتے رہنا دین ہدیٰ کی ہی ایک عظیم ترین خدمت ہے اور اس میں اپنا بھی فائدہ ہے اور خدا کے سادہ لوح بندوں کا بھی۔ لیکن افسوس، ایک صاحب کے توجہ دلانے پر جب ہم نے مولانا منظور نعمانی مدیر الفرقان کی تصنیف کردہ کتاب "فیصلہ کن مناظرہ" پڑھی تو ہم عجیب طرح کے تذبذب و تردد کا شکار ہو کر رہ گئے بلکہ فیصلہ کن مناظرہ پڑھنے کے بعد ہمیں ایسا لگا جیسے ہم عرصۂ دراز سے ایک ایسی لڑائی میں اپنے ہاتھ پیر تھکا رہے ہیں کہ جو دین اور خدمت دین سے کوئی واسطہ نہیں رکھتی۔

فیصلہ کن مناظرہ میں یہ عجیب و غریب نکتہ بیان کیا گیا ہے۔

"اس اختلاف کی بنیاد عقیدے اور مسلک کے کسی خاص اختلاف پر نہیں ہے"

کتنی حیرت انگیز بات ہے۔ اگر اس اختلاف کی سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں ہے یا ہے لیکن وہ کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے تو قریباً نصف صدی سے ایک دوسرے کے خلاف داؤ پیچ استعمال کرنا، مناظروں اور مناقشوں کی محفلیں منعقد کرنا، ایک دوسرے کے خلاف لٹریچر شائع کرنا، ایک دوسرے کو ذلیل و خوار کرنے کے لئے نئے نئے دلائل تصنیف کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

فیصلہ کن مناظرہ کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دیوبندی اور بریلوی جھگڑے کی بنیاد تو کچھ نہ کچھ ضرور ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی خصوصیت کے حامل نہ ہو۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ بنیاد ہے کیا

جس پہ دو فریقین اختلاف کا قصر عداوت تعمیر کرتے چلے گئے یہاں تک کہ وہ آسمان تک پہونچ گیا۔
لیجئے اختلاف کی لے اُن کی ہی زبانی سنئے۔

اس کی اصلیت اور تاریخ صرف
یہ ہے آج سے تقریباً پچاس سال
پہلے مولوی احمد رضا خاں صاحب
بریلوی نے علمائے دیوبند کی طرف
بعض کافرانہ عقیدے منسوب
کر کے دعویٰ کیا اور یہ فتویٰ دیا کہ
"چونکہ ان کے یہ عقیدے ہیں اس
لئے وہ قطعی کافر ہیں ایسے کافر
کہ جو شخص ان کے کافر ہونے میں
شک کرے وہ بھی ویسا ہی کافر
ہے"

یہ عبارت پڑھنے کے بعد تو یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ حسام الحرمین جیسی لوچ کتابیں جو علماے دیوبند کی تذلیل وتضحیک اور تفسیق وتکفیر کے لئے لکھی گئی تھیں ان کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے اس اختلاف کی بنیاد پڑی۔ اگر اختلاف کی اس بنیاد اور وجہ کو تسلیم کر لیا جائے تو علمائے دیوبند کی دیانت پر حرف آتا ہے۔ اس لئے کہ محض اس بات کو بنیاد بنا کر کسی گروہ کے ساتھ دست وگریباں ہو جانا کہ اس نے ہمارے بڑوں کی پگڑی اچھالی ہے دین اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

بریلوی اور دیوبندی جھگڑے کی بنیاد اگر صرف یہ مان لیجائے کہ انہوں نے علمائے دیوبند کے خلاف بے بنیاد باتیں اور مضحکہ خیز فتوے شائع کئے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اختلاف دن بدن اور لمحہ بہ لمحہ ربڑ کی طرح کھنچتا کیوں رہا ہے عمل کے بعد اگر رد عمل نہ ہو تو پھر کسی اختلاف کے پھلنے پھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب نے علمائے دیوبند کی توہین کی تو پھر لامحالہ یہ بھی جاننا پڑے گا کہ علمائے دیوبند کی طرف سے بھی تنقید وتنقیص کے پتھر برابر اچھالے جاتے رہے ہیں۔ اور یہ مان لینے کے بعد پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس چنگاری کو شعلہ بنانے میں فریقین کا ہاتھ ہے صرف ایک فریق مجرم نہیں اولیت احمد رضا خاں صاحب کو حاصل سہی لیکن ثانویت کا انعام اُن علمائے دیوبند اور ان کے معتقدین کو حاصل ہے جو وقتاً فوقتاً علمائے بریلی اور احمد رضا خاں صاحب کے خلاف واویلا مچاتے رہے ہیں۔ فیصلہ کن مناظرے کی مذکورہ بالا عبارت کی توضیح کرنے کے بعد یہی نتائج برآمد ہوتے ہیں جو علماء دیوبند کے حق میں سرتاپا الزام کی حیثیت رکھتا ہیں۔

لیکن رکیئے ــــ مولانا منظور نعمانی صاحب نے اس اختلاف کے باقی رہنے اور دن بدن بڑھتے رہنے کی دوسری وجہ بیان کی ہے ۔ جو اور زیادہ افسوس ناک ہے ۔

مسلمانوں میں اس اختلاف کے اب تک باقی رہنے کی کوئی وجہ اس کے سوا سمجھ میں نہیں آتی کہ کچھ لوگوں نے مسلمانوں میں اس اختلاف کے باقی رکھنے اور اس بنیاد پر ان کو آپس میں لڑانے کو اپنی روزی کا ذریعہ بنا لیا ۔

اس عبارت سے صاف طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فریقین از راہ تجارت اس اختلاف کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور اس اختلاف ہی کے دم سے ان کی کتابیں چھپتی اور بکتی ہیں ۔ حیرت ہے کہ مولانا منظور نعمانی صاحب نے بریلوی دیوبندی اختلاف کو تجارتِ خالصہ کا لزام دیتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ وہ خود اسکی پیٹ میں آتے ہیں ۔ بلکہ سب سے بڑے تاجر وہی قرار پاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس لڑائی میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے ۔ ہمارا یقین نہ آئے تو انہیں کے لفاظ میں سنیئے ۔

۰ اس واقعہ کا اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ اس فرقے کے چھوٹے بڑوں کی خرافات پڑھنے اور ان کو جاننے سمجھنے اور زبان وقلم سے ان گمراہیوں اور زیب کاریوں کا پردہ چاک کرنے کا جتنا موقعہ اللہ تعالیٰ نے اُس زمانے میں مجھے دیا غالباً ہماری جماعت میں کسی کو نہیں ملا ۔

بریلوی فتنہ کا نیا روپ صد ۱۱

اس تحریر کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ اس جھگڑے میں سب سے زیادہ حصہ مولانا نعمانی صاحب نے لیا تھا لہٰذا اس جھگڑے کا تجارتی فائدہ سب سے زیادہ مولانا نعمانی ہی نے اٹھایا ۔ ممکن ہے کہ مولانا منظور نعمانی یہ کہہ کر جان چھڑا لیں کہ بریلویوں کے خلاف مناظرے اور مباحثے کرنے کی بات میری عمر کے ابتدائی حصے سے تعلق رکھتی ہے ۔ اور اس زمانہ میں فیصلہ کن مناظرہ جیسی کتابیں چھاپنے کا اشتیاق رہتا تھا ۔ لیکن جب میرے قلب پر یہ بات منکشف ہوئی کہ یہ اختلاف روزی کمانے کا ایک ذریعہ بن چکا ہے تو پھر میں نے اس موضوع میں دلچسپی لینی ترک کر دی مولانا منظور نعمانی کا یہ عذر تسلیم کر لیا جاتا اگر انھوں نے فیصلہ کن مناظرے کے بعد واقعتاً اس اختلاف کو شجر ممنوعہ تصور کر لیا ہوتا ۔ وہ

فیصلہ کن مناظرہ کے چھپنے اور دھڑا دھڑ بکنے کے بعد بھی کئی کتابیں اس موضوع پر چھاپ چکے ہیں۔ اور وہ کتابیں ناشر انھیں اچھا خاصا نفع دے رہی ہیں۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے مولانا نعمانی صاحب کا یہ انکشاف کہ دیوبندی بریلوی جھگڑا تجارت اور روزی کمانے کا ذریعہ بن چکا ہے غریب مسلمانوں کے لئے غیر مفید ہی رہا۔ اس لئے کہ جس بزرگ نے حیات اختلاف کی علت بیان فرمائی تھی وہ خود بھی ان مسیحاؤں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں جنھوں نے اس اختلاف کو موت کے منہ میں جانے سے بچایا ہے۔

فیصلہ کن مناظرہ کی ایک عبارت سے یہ ثابت ہو گا ہے کہ دیوبندی اور بریلوی جھگڑے کی اصل بنیاد یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے علمائے دیوبند کو کافر ثابت کیا اور ان کے خلاف علمائے حرمین کو بھڑکانے کی کوشش کی۔

لیکن ہمارا اپنا خیال یہ تھا کہ علمائے دیوبند کے خلاف زہریلے فتوؤں اور شرمناک عبارتوں کے علاوہ بھی بریلوی حضرات میں وہ بہت سی خرابیاں ایسی پائی جاتی ہیں کہ ازراہ عقائد جنھیں گوارہ نہیں کیا جاسکتا۔ تیجہ، چہلم گیارھویں قبر پرستی، سلام و قیام، عرس و قوالی اور فاتحہ خوانی وغیرہ جیسے افعال علمائے حق کے نزدیک متفقہ طور پر بدعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان تمام افعال کو دیوبندیوں کی اصطلاح میں رضا خانیت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ فیصلہ کن مناظرہ کی ایک عبارت نے ہمارے اس خیال کی بھی بنیادیں ہلادیں۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

> شاید بہت سے لوگ ناواقفی سے یہ سمجھتے ہوں کہ میلاد، قیام عرس و قوالی، فاتحہ، تیجہ دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ کے جائز و ناجائز اور بدعت و غیر بدعت ہونے کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں جو نظریاتی اختلاف پایا جاتا ہے یہی دراصل دیوبندی و بریلوی اختلاف ہے، مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

جن لوگوں پر ناواقفیت کا الزام ہے ان ہی میں ہم بھی شامل ہیں۔ ہماری خوش گمانیاں بھی یہی تھیں یہ لڑائی سنت و بدعت کی لڑائی ہے اور اس دور میں چونکہ بدعات و خرافات کے ٹھیکیدار بریلوی حضرات ہیں

اس لئے علمائے دیوبند کا سب سے زیادہ ٹکراؤ
ان ہی سے ہے۔ لیکن مذکورہ عبارت پڑھنے کے
بعد ہمیں حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطے
لگانے پڑے۔

اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے
اس عبارت سے متصل ہی مزید یہ بھی گلفشانی کی گئی

"کیونکہ مسلمانوں کے درمیان ان
مسائل میں اختلاف تو اس وقت
سے ہے جب کہ دیوبند کا مدرسہ
قائم بھی نہیں ہوا تھا اور مولوی
احمد رضا خاں صاحب پیدا بھی
نہیں ہوئے تھے اس لئے ان
مسائل کے اختلاف کو دیوبندی
بریلوی اختلاف نہیں کہا جا سکتا"

اس عبارت میں کھُل کر یہ کہہ دیا گیا ہے کہ
بریلویوں سے ہمارا اختلاف اس بنا پر نہیں کہ
وہ بدعات و خرافات کی کاشت کر رہے
ہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے
ہمارے بزرگوں کی پگڑیاں اچھالی ہیں اور
انھیں گمراہ ثابت کرنے کے لئے حسام
الحرمین جیسی گھٹیا کتاب لکھ کر دنیا بھر میں
پھیلائی ہے۔

فیصلہ کن مناظرہ کی اس خوش عقیدگی
کو اس عام فہم مثال سے سمجھئے کسی شہر میں زید
نام کا ایک مسلمان رہتا تھا، برسہا برس تک

اس کی لڑائی موہن نام کے ایک بُت پرست
سے ہوتی رہی۔ موہن جب بھی زید پر حملہ آور
ہوتا زید مسلمانوں سے فریاد کرتا اور مسلمانوں کا
جم غفیر زید کی فریاد سنتے ہی اسی وقت زید کا
دفاع کرنے کے لئے لنگوٹے کس لیتا۔ زید
اس عرصہ میں بت پرستی کی قباحتیں دلائل و
براہین کے ساتھ بیان کرتا رہا تاکہ مسلمان بُت
پرستی کے ساتھ بُت پرستی میں مبتلا موہن سے
بھی نفرت و بیزاری کا اظہار کرنے لگیں۔ یہ
نفرت اور کشاکشی پچاس سال تک جاری رہی
پچاس سال کے بعد زید نے اچانک یہ انکشاف
کیا کہ بہت کم لوگ اس بات سے واقف
ہیں کہ میرے اور موہن کے اختلاف کی اصل
بنیاد کیا ہے۔ اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ میں موہن
کا اس لئے مخالف ہوں کہ وہ بتوں کی پوجا کرتا
ہے۔ نہیں ایسا سمجھنا درست نہیں ہے اس
لئے کہ بُت پرستی تو اس وقت سے چلی آرہی
ہے۔ جب نہ موہن پیدا ہوا تھا اور نہ ہی میں
بلکہ اس اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ
موہن نے میرے خاندان کے قابل احترام
بڑوں کے ساتھ زیادتیاں کی انھیں رسوا
کیا۔ لہٰذا بُت پرستی کی آڑ لے کر میں اس
سے لڑتا رہا ہوں۔ اور لڑتا رہوں گا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا رشید
احمد گنگوہیؒ جیسے علما اور اولیا کی شان میں

گستاخیاں کرنا بجائے خود بڑا جرم ہے اور بریلوی چونکہ اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں لہٰذا وہ سزا وعتاب کے مستحق قرار پائے ہیں لیکن یہ جرم وہ جرم ہے جس کا ذکر ضمناً ہی مناسب ہے۔ لڑائی کی اصل بنیاد دشنام طرازی نہیں بلکہ شرک و بدعت کی وہ ابتلا ہے جو بریلویوں کا طرۂ امتیاز بنی ہوئی ہے۔ ابوجہل جیسے مشرکوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ پر طعنے کسے تنقیص کے پتھر اچھالے، گالیاں دیں۔ لیکن اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ علماء کے باشعور طبقے نے الزام تراشی اور ہفوات بازی کا ذکر ابوجہل کے کردار اور اس کی جبلت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے۔ ورنہ ابوجہل سے نفرت کی اصل بنیاد یہ ہے کہ اس نے عمر بھر باطل کی پشت پناہی کی اور حق سے بیزاری کا اظہار کیا۔ افسوس کہ ہمارے بزرگ لکھتے ہوئے یہ سوچنا گوارہ نہیں کرتے کہ انکے قلم پاروں کی زد کہاں کہاں پڑے گی اور اس تحریک کے خلاف کیسے کیسے شبہات جنم لیں گے جو عرصہ دراز سے وہ بریلویوں کے خلاف بنام حق چلاتی جارہی ہے۔

آخر میں ایک ریمارک اور پڑھ لیجئے فرماتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان مسائل کی حیثیت کسی فریق کے نزدیک بھی ایسی نہیں ہے کہ ان کے ماننے نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو کافر یا اہلِ سنت سے خارج کہا جاسکے۔

میلاد، قیام، عرس و قوالی، فاتحہ خوانی، نتیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں برسی وغیرہ جیسے اعمال و افعال سنت رسول سے مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے بدعات قرار پائے اور جب انھیں بدعات میں شمار کر لیا گیا تو ان کے مرتکبین کو "ارباب بدعت" تصور کرنا خلاف عقل و انصاف نہ ہوا۔ اور جب ان کو "ارباب بدعت" تصور کرنا خلاف عقل و انصاف نہ ہوا تو انھیں اہل سنت سے خارج کر دینا عین عقل کے مطابق ہوا۔ چنانچہ وہ تمام حضرات جو مذکورہ افعال میں مبتلا ہیں وہ کہیں کے بھی رہنے والے ہوں اور کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں وہ سب کے سب بدعتی ہیں۔ یہ تو ہوا زیر بحث مسئلہ کا اصولی اور منطقی پہلو۔ اب واقعاتی طور پر بھی غور کر کے دیکھ لیں کہ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ درست ہے یا وہ درست ہے جو مولانا منظور نعمانی صاحب نے ارشاد فرمایا ہے نصف صدی کے کاغذی اور اسٹیجی اختلافات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ علمائے دیوبند نے مذکورہ بالا

باقی صفحہ پر

محمد اشفاق حسینی

موسیقی قرآن کی روشنی میں

موسیقی ۔ ایک عظیم فتنہ

اسلام اور مسلمانوں کو جن فتنوں نے تباہ کیا۔ ان میں راگ، گانا اور موسیقی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ العلیم والخبیر اور عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ جانتا ہے کہ انسان کی فطرت کیا ہے بلکہ وہ تو خالق فطرت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کو انسانوں کے لئے حرام قرار دیا جو اس کے لئے نقصان رساں۔ دین و آخرت سے غافل کرنے اور اخلاق و کردار کو پامال کرنیوالی ہے لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد موسیقی کو حرام نہیں بلکہ جائز قرار دیتی ہے چنانچہ عرصہ دراز سے مسلمان (الا ماشاء اللہ) فلمی گانوں اور قوالیوں کے ذریعہ نہ صرف اپنا قیمتی وقت اور پیسہ برباد کر رہے ہیں ۔ بلکہ ان فتنوں اور رنگ رلیوں کے ذریعہ ان کے نفس اور اخلاق پر بڑے بڑے اثرات مرتب ہوئے فلمی گیتوں اور قوالیوں نے نماز باجماعت اور وقت پر نماز ادا کرنے سے روکا۔ ان کے ذریعہ کاروبار متاثر ہوئے طالب علم کو حصول علم سے باز رکھنے میں بھی گیتوں اور موسیقی کا بڑا عمل دخل ہے۔ راگ گانا، موسیقی، فلمی گیتوں اور طربیہ دھنوں نے جنس اور زنانہ نگاہوں اور مخش کاموں کی طرف راغب کیا۔ فلمیں اس دور کا ایک بڑا فتنہ ہیں اور فلموں میں موسیقی کو نمایاں

حیثیت حاصل ہے موسیقی کے بغیر آج کسی فلم کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ موسیقی کے بغیر فلم کی حیثیت ایسی ہے جیسے کہ نمک کے بغیر سالن۔

موسیقی کی حرمت قرآن میں

یوں تو کثیر تعداد، واضح المطالب صحیح احادیث اور قدیم، معروف اور مستند ترین فقہاء کرام کے فتووں سے راگ گانا اور موسیقی حرام قرار پاتی ہے۔ لیکن ہم اس مضمون میں صرف قرآنی آیات سے موسیقی کی حرمت ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بعض قبر پرست مولویوں اور تجدد پسند مسٹروں کا یہ خیال ہے کہ موسیقی کی مخالفت صرف چند احادیث سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں موسیقی کو حرام نہیں قرار دیا گیا ہے۔ اور کوئی چیز صرف قرآن ہی سے حرام پا سکتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید آج کے کسی مولوی یا مسٹر پر نازل نہیں ہوا بلکہ اسے نازل ہوکر چودہ سو سال کی مدت گزر چکی ہے اور اس طویل مدت میں قرآن مجید کو سمجھانے اور سمجھنے والے دنیا کے مختلف ممالک میں ہزاروں علماء کرام پیدا ہوئے جو نہ صرف قرآن کی زبان میں مہارت رکھتے تھے بلکہ وہ اسلاف کی تفسیر، آیاتِ شانِ نزول وغیرہ سے بھی بخوبی واقف تھے اور اس طرح سے انہوں نے قرآن کی صحیح اور مستند تفسیر اگر ان مقررین سلف کی تفسیری تحقیقات اور کوششوں کو نظر انداز کرنا اور آیات کا نیا، نرالا اور بے نظیر مفہوم نچوڑنا گویا گمراہی کو دعوت دینا اور اپنی جگہ جہنم میں بنانا ہے۔

آیئے دیکھیں موسیقی کی حرمت اور مخالفت میں قرآن کیا کہتا اور ماہرین قرآن متعلقہ آیات کی کیا تفسیر پیش کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث

(القمان)

یعنی بعض لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مذکورہ آیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ لھو الحدیث سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے تین مرتبہ زور دے کر فرمایا ھو اللہ الغناء — "خدا کی قسم اس سے مراد گانا ہے"

ابن ابی شیبہ اور ابن ابی الدنیا اور ابن جریر اور ابن منذر اور حاکم رحمہم اللہ نے

ابو صہبا رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عبد اللہ ابن مسعود سے اللہ تعالیٰ کے اس قول ومن الناس من یشتری لھو الحدیث سے متعلق دریافت کیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے قسم کھاکر فرمایا کہ اس آیت سے مراد گرنا ہے۔

امام بیہقی نے اپنی تصنیف شعب الایمان میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ عطار بن سائب نے سعید بن جبیر سے روایت کیا کہ ابن عباس رضی نے کہا ومن الناس من یشتری لھو الحدیث سے مراد غناء اور اس کے مشابہ چیزیں ہیں۔ قال ھو الغناء والمشابہ۔

تفسیر مدارک (امام نسفی) میں ہے وکان ابن عباس یحلفان انہ الغناء یعنی حضرت ابن عباس اور ابن مسعود قسم کھاکر فرماتے تھے کہ لھو الحدیث سے مراد غناء ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حسن بصری۔ عکرمہ سعید بن جبیر رحمہم اللہ نے کہا لھو الحدیث الغناء الآیۃ نزلت فیہ یعنی لھو الحدیث سے مراد غنا ہے اور پوری آیت اسی بارہ میں نازل ہوئی۔

ابن ابی الدنیا اور ابن جریر نے عکرمہ (شاگرد ابن عباس) سے لھو الحدیث کے بارے میں دریافت کیا تو عکرمہ نے فرمایا لھو الحدیث سے مراد غناء ہے۔

(الاجوبۃ الفاخرۃ)

صحابہ اور تابعین کا یہی قول ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ لھو الحدیث سے مراد غناء اور اس کے مشابہ چیزیں ہیں اور امام بخاری نے ابن عباس رضی سے روایت بیان کی کہ انہوں نے تین دفعہ کہا قسم ہے اس ذات کی نہیں ہے معبود سوا اس کے کہ لھو الحدیث سے مراد غناء ہے۔

(فتح الباری)

امام قرطبی نے فرمایا کہ کریمہ لھو الحدیث کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں بہتر بات غناء ہے

(حاشیہ جامع البیان)

حضرت سعید بن بشار سے مروی ہے کہ میں نے عکرمہ سے لھو الحدیث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ غناء ہے۔

عن سعید بن بشار قال سالت عکرمۃ عن لھو الحدیث قال ھو الغناء (الاجوبہ الفاخرہ الفاضلہ)

ابو حاتم نے حسن بصری سے روایت بیان کی کہ انہوں نے کہا۔ آیۃ کریمہ

غنا و مزامیر کے بارے میں نازل ہوئی
(فی المزامیر و الغنا)

حضرت ابن عباس رضہ سے اللہ عزّ و جلّ کے اس قول (لہو الحدیث) کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد غنا ر گانا، راگ) اور اس قسم کی باتیں ہیں۔"

(الادب المفرد۔ امام بخاری)

حضرت امامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ گانے والی لونڈی کو نہ بیچا کرو اور نہ انہیں خریدا کرو اور نہ انھیں گانا سکھایا کرو۔ ان کی قیمت حرام ہے اور ایسی باتوں میں (لہو الحدیث) والی آیت نازل ہوئی

احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور مشکوٰۃ

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح لکھتے ہیں:۔

بعض مفسرین نے قول خدا۔ عزّ و جلّ (ومن الناس من یشتری لہو الحدیث کی یہ تفسیر فرمائی ہے۔ اور بعض لوگ وہ ہیں کہ لیتے ہیں وہ جس سے مراد سرود اور اشعار ہیں اور بعض احادیث میں ہے کہ گانا ہے۔ درخت نفاق کا بیج دل کے جیسے سیلاب سبزہ کو اگاتا ہے۔ حضرت شبلیؒ سے پوچھا گیا کہ گانا سننا درست ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ایسی چیز ہے جو ہدایت سے گمراہی کی طرف پھیر دیتی ہے سرود اس لئے مکروہ ہے کہ اس کے سننے سے طبیعت میں سوزش اور شہوت نفسانی اور بے عقلی اور خوش حالی و سبکی اور خرد داری پیدا ہوتی ہے۔"

(غنیۃ الطالبین)

علامہ ابن جوزی رح نے بھی اپنی مشہور کتاب تلبیس ابلیس میں لہو الحدیث سے غنا دگانا مراد لیا ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر لہو الحدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ " خدا کی قسم اس سے مراد گانا اور راگ ہے آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے تین دفعہ قسم کھا کر فرمایا کہ اس سے مقصود راگ اور راگنیاں ہیں یہی قول حضرت ابن عباس رضہ، حضرت عکرمہ رضہ حضرت سعید بن جبیر رضہ، حضرت مجاہد رح، حضرت مکحول رضہ، حضرت حسن بصری رح، حضرت عمرو بن شعیب، حضرت علی بجابذیمہ رحمہ اللہ علیہم کا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت راگ گانے اور باجے کے بارے میں اتری ہے" قتادہ فرماتے ہیں کہ انسان کی یہی گمراہی کافی ہے کہ وہ باطل کی بات کو حق بات پر پسند کرے اور

نقصان کی چیز کو نفع کی بات پر مقدم کرے۔"
(تفسیر ابن کثیر سورۂ لقمان آیت ۶)

علامہ عبدالحق حقانی رح نے بھی اپنی تفسیر حقانی میں لہو الحدیث کے بارے میں عمدہ مواد پیش فرمایا ہے اور عربی کی ایک قدیم معروف اور مستند تفسیر مدارک کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رض اور حضرت ابن مسعود رض قسم کھا کر کہتے تھے کہ لہو الحدیث" سے مراد راگ ہے۔"

علامہ قرطبی رح کہتے ہیں کہ لہو الحدیث کی تفسیر میں جو بات کہی گئی ہے یہ ہے کہ اس سے مراد راگ ہے اور یہی صحابہ اور تابعین کا قول ہے اور بخاری نے "الادب المفرد" میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رض سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد غنا یعنی راگ وگانا ہے اس کو وہ قسم کھا کر کہتے تھے۔ علامہ طبری رح کہتے ہیں کہ علماء امصار راگ کے ممنوع اور مکروہ ہونے پر متفق ہیں اور بہت سے علماء کے نزدیک راگ بھی قطعًا اس میں داخل ہے اور ستار سارنگی وغیرہ تو بالاتفاق حرام ہیں۔ فقہاء و محدثین کا اس پر اتفاق ہے۔" (تفسیر حقانی سورۂ لقمان)

آیت نمبر ۲

واستفزز من استطعت منھم بصوتک

(اے ابلیس! جس کو تجھ سے ہو سکے اپنی آواز سنا کر اپنی طرف اکھاڑ لے بنی اسرائیل)

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ ہر وہ شخص جو گناہ کی طرف بلانے والا ہے وہ شیطان ہے۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ صوت سے مراد غناء و مزامیر ہے (وقیل ھو الغناء والمزامیر) جلالین میں ہے " بصوتک بدعائک بالغناء والمزامیر۔ صوت سے مراد غناء و مزامیر ہے۔"

حضرت سفیان ثوری رح نے حضرت لیث سے روایت کی ہے کہ حضرت مجاہد رح نے کہا کہ اس آیت سے مراد غناء و مزامیر ہے (بصوتک قال ھی الغناء والمزامیر۔

طبرانی کی حدیث ہے:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ شیطان نے کہا:

اے رب! میرے لئے ایک گھر خاص کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"تیرا گھر حمام ہے"۔ شیطان نے کہا: میرے لئے ایک قرآن بنا دے (قرآن کے لفظی معنی ہیں وہ کلام جو بار بار پڑھا جائے) اس پر ارشاد ہوا، تیرا قرآن شعر ہے"۔ اس نے کہا: "میرے لئے ایک موذن مقرر کر دے"۔ تیرا موذن مزمار

(یعنی آلات موسیقی ہے" اور اللہ تعالےٰ
نے شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا
ان میں سے جس کسی کو تو اپنی صدا میں
سنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش
کرلے۔ اپنے لشکر کے سواروں اور
پیادوں سے حملہ کر کے دیکھ لے۔
بنی اسرائیل۔ ۶۴)
امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ "شیطان
کی آواز" کی تفسیر میں منقول ہے کہ وہ گانا
ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
"مجھے دو احمق اور فاجر آوازوں سے
منع کر دیا گیا ہے لہو ولعب اور مزامیر
شیطان کی آواز اور منہ پیٹنے اور گریبان
پھاڑنے اور جاہلیت کے نعروں کی آواز"
وجد وسماع)

آیت نمبر ۳

وانتم سامدون "یعنی تم غافل ہو"
"یحییٰ بن سعید نے بیان کیا کہ
سفیانؒ نے اپنے باپ سے روایت
بیان کی عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ
سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا وانتم
سامدون سے مراد غناء ہے۔ وانتم
سامدون قال ھو الغناء۔
وقال المجاھد ھو الغناء۔

حضرت مجاہد نے کہا سامدون سے مراد
غناء ہے۔
قبیلہ حمیر میں محاورہ ہے اسمدی لنا جس
کے معنی ہیں غنا لنا یعنی ہم کو گانا سناؤ
جب کوئی گاتا ہے تو اہل یمن بولتے ہیں
سمد فلاں یعنی فلاں شخص نے راگ گایا۔

حاصل تحقیق

جلیل القدر صحابہؓ کرام اور مفسرین
سلف کی تصریحات اللہ تعالیٰ نے قرآن
مجید میں راگ، گانا اور موسیقی کو حرام
قرار دیا اور اس کی مذمت اور مخالفت
فرمائی ہے۔

اسلام کا ہر حکم فطری ہے

اسلام دین فطرت ہے اس کا
کوئی حکم اور ہدایت ممنوع اور مشروع
چیز عقل و فطرت کے خلاف نہیں ہوسکتی
اسلام نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے
اس کی پشت پر صرف سیرت و اخلاق
کی حکمتیں ہی کارفرما نہیں ہیں، بلکہ اس کے
متعدد طبی اور سائنسی فوائد اور برکات بھی
موجود ہیں جو علمی تحقیقات اور جدید سائنسی
انکشافات کی روشنی میں اجاگر ہورہی ہیں
اور نکھر کر سامنے آرہی ہیں اور اس بات کا

ثبوت فراہم کر رہی ہیں کہ اسلام ایک عقلی فطری، استدلالی اور سائنسی دین ہے اس کی کوئی بات عقل و فطرت کے خلاف نہیں۔

ماہنامہ الرسالہ دہلی میں ایک خبر شائع ہوئی ہے:-

حال ہی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے جدید موسیقی کی اذیت

Hem y Plearent The agony af Madarn Muasie

اس میں دکھایا گیا ہے کہ عام تصور کے برعکس موسیقی انسان کے لئے نفسیاتی اور حیاتیاتی طور پر اذیت بخش زیادہ ہے اور مسرت بخش کم "

(بقیہ آغاز سخن)

اعمال میں مبتلا ہے عام ہونیکی وجہ سے ارباب بریلی کو بدعتی قرار دیا، اور بریلوی حضرات کے نزدیک علمائے دیوبند مذکورہ بالا افعال سے محترز رہنے کی بنا پر بدعتی قرار پائے اس لئے کہ بریلویوں کے نزدیک تیجہ چہلم وغیرہ سنت رسول کے عین مطابق ہیں وہ روایات سے اس کا استدلال کرتے ہیں۔ لہٰذا انکے نزدیک جو ان اشیاء سے دامن بچاتے وہ بدعتی ہیں ان حقائق کے ہوتے ہوئے ظاہر ہوا کہ ان مسائل کی حیثیت کسی گروہ کے نزدیک اتنی اہم نہیں ہے کہ انکی وجہ سے وہ کسی کو از پا گمراہ یا اہل سنت سے خارج کرنے کے خوگر ہوں[۴]

(بقیہ صفحہ ۱۶ کا)

اور عظمت کی طرف دھیان کر کر تو نے اسکے حکم کی خلاف ورزی کی اور جس قدر بندہ حق تعالیٰ کے جلال کو زیادہ پہچانتا ہے اسی قدر چھوٹے گناہ کو بڑا جانتا ہے۔ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے کام کرتے ہو کہ ان کو بال برابر جانتے ہو اور ہم ہر ایک ان میں سے پہاڑ جتنا سمجھتے ہیں اور تمام گناہوں میں حق تعالیٰ کا غصہ پوشیدہ ہے اور ممکن ہے اسی میں ہو جسے تو سب سے ہلکا جانتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ!

یعنی تم ہلکا جانتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہے! تیسرا سبب یہ ہے کہ گناہ کر کے طبیعت کو ایک طرح کی مسرت ہو اور اس کو غنیمت اور فتوح خیال کرے اور اس پر فخر جتائے اور ممکن ہے فخر و مباہات کے طور پر کہے کہ میں نے فلاں کو فریب دیا اور اس کا مال ہضم کر لیا، گالیاں دیں اور شرمندہ کیا اور مناظرہ میں اسے رنج پہنچایا اور اذیت و غصہ میں مبتلا کیا ایسا جو شخص اپنی ہلاکت پر خوش ہوا اور اس پر فخر کرے تو یہ اس کا دل سیاہ ہونیکی دلیل ہے اور یہی امر اس کی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے

عبرت انگیز قسم کی ناواقفیت ہے۔

روح انتخاب

(امام غزالی)

جاننا چاہیئے کہ گناہ صغیرہ میں اسبابؔ کی امید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ اسے بخش دے گا لیکن بعض اسباب کی بنا پر صغیرہ کبیرہ بن جاتا ہے اور اس کا خطرہ بھی سخت ہو جاتا ہے اور وہ اسباب چھ ہیں۔ پہلا یہ کہ آدمی گناہ صغیرہ پر اصرار کرتا ہے جیسے کہ ہمیشہ غیبت کرے یا ہمیشہ ریشمی کپڑا پہنے یا گانے کو لہو ولعب کے طور پر سنا کرے کیوں کہ جو گناہ متواتر کیا جاتا ہے اس کو دل کے تاریک بنانے میں بڑا دخل ہوتا ہے اور اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نیکی سب سے اچھی ہے جو ہمیشہ ہوتی رہے۔ چاہے وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قطرہ پانی کے پتھر پر گرنے سے پتھر میں سوراخ ہو جاتا ہے اور اگر وہ تمام پانی یکبارگی بہا دیا جائے تو اثر نہیں کرتا پس جو شخص گناہ کبیرہ صغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ استغفار سے اس کا تدارک کرے اور پشیمان ہوتا رہے اور اس بات کا قصد کرتا رہے کہ پھر ایسا نہ کرے گا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ گناہ کبیرہ استغفار سے صغیرہ ہو جاتا ہے اور صغیرہ گناہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اگر گناہ کو حقیر خیال کرے گا اور چشم حقارت سے دیکھا گا تو گناہ صغیرہ اس کی وجہ سے کبیرہ ہو جائے گا اور جب (چھوٹے) گناہ کو بڑا خیال کرے گا تو وہ کم ہو جائے گا۔ کیونکہ گناہ کو بڑا خیال کرنا خوف اور ایمان کی وجہ سے ہوتا ہے اور گناہ کا چھوٹا خیال کرنا غفلت کے سبب سے اور گناہ کے ساتھ لگاؤ کے باعث ہوتا ہے اور یہ بات اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ گناہ نے دل کے ساتھ مناسبت پیدا کر لی مسلمان اپنے گناہوں کو اپنے اوپر ایک پہاڑ سمجھتا ہے اور ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے کہ مبادا میرے اوپر کہیں پھوٹ پڑے اور منافق اپنے گناہوں کو مکھی کی مانند خیال کرتا ہے کہ جو اسکی ناک پر بیٹھتی ہے اور اڑ جاتی ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ جو گناہ نہیں بخشا جاتا وہ یہ ہے کہ آدمی اس کو اپنے دل میں سہل اور خفیف خیال کرے اور کہے کہ کاش سب گناہ ایسے ہی ہوتے۔

ایک پیغمبر علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ گناہ کے چھوٹے ہونے پر خیال نہ کر حق تعالیٰ کی بزرگی

باقی صفحہ ۱۷ پر

تاریکیوں میں ایک چراغ

بانی
حضرت مولانا عامر عثمانیؒ

مدیر
مولانا حسن احمد صدیقی
فاضل دارالعلوم دیوبند

منیجر ابوسفیان عثمانی

قابل مطالعہ کتابیں

شرک و بدعت کے چور دروازے ———— ۷/۵۰

بریلی کا نیا دین ———— ۶/=

ہدایت نامہ بدعت ———— (زیر طبع)

بدعت کیا ہے؟ ———— ۱۲/۵۰

فتوح الغیب ———— ۱۰/=

جواب آں غزل ———— ۹/=

مطلع ———— آزاد [illegible]

علاوہ ازیں ہر قسم کی دینی اور ادبی کتابیں ملنے کا پتہ

اجتماع بک ڈپو دیوبند (یوپی)

حسن احمد صدیقی
فاضل دارالعلوم دیوبند

آغازِ سخن

حدثنا زید ابن وھب قال سمعت ابن مسعود یقول انکم فی زمان کثیر فقھاءہ قلیل خطباؤہ قلیل سوالہ کثیر معطوہ العمل فیہ قائد للھویٰ وسیاتی من بعدکم زمان قلیل فقھاءہ کثیر خطباءہ کثیر سوالہ قلیل معطوہ الھویٰ فیہ قائد للعمل اعلموا ان حسن الھدیٰ فی اٰخر الزمان خیر من بعض العمل۔ (الادب المفرد)

ترجمہ:۔ زید ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو جس میں فقہاء بہت ہیں مقرر کم دینے والے زیادہ ہیں۔ اور مانگنے والے کم۔ اس زمانہ میں عمل خواہشات کا رہنما ہے مگر تمہارے بعد جو زمانہ آئے گا اس میں فقہاء کم ہوں گے اور مقرر بہت زیادہ دینے والے کم ہونگے اور مانگنے والے بہت عمل خواہشات کے ماتحت ہو جائے گا۔ یاد رکھو کہ آخر زمانہ میں بہترین سیرت بعض اعمال سے بہتر ہوگی۔

یہ روایت موجودہ زمانہ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ اس زمانہ میں تقریر و تحریر کا بازار گرم ہے جسے دیکھئے وہ زبان چلانے اور کاغذ سیاہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ہر شخص کو یہ زعم ہے کہ بس وہی اسلام کا مخلص خادم ہے حالانکہ موجودہ زمانہ میں جس طرح خدمتِ خلق (لیڈری) ایک پیشہ بنی ہوئی

ہے بالکل اسی طرح خدمتِ اسلام (تدریس
وتبلیغ و دعوت) فقط ایک پیشہ اور ذریعۂ
معاش بن کر رہ گئی ہے تقریر و تحریر کے
زور و شور میں مگن رہنے والے لوگ حکمت
وفقاہت سے یکسر محروم اور نابلد ہیں۔
نہ وہ اسلام کے مزاج سے واقف ہیں۔ اور
نہ خدا و رسول کی مرضیات کا انہیں علم ہے
وہ تو بس بولنے اور رنگ برنگ قسم کے
دعوے کرنے کو ہی حاصل بندگی تصور
کرتے ہیں، تاریخ اسلام گواہ ہے کہ دین
کی عمارت بے روح الفاظ کی بنیاد پر کبھی
قائم نہیں ہوئی بلکہ دین کی عمارت عمدہ
عمل اور افکار کی ٹھوس بنیادوں پر
قائم ہوئی ہے، جہاں بولنے اور دعوے
کرنے کو تریاق سمجھ لیا گیا ہو وہاں معاشرہ
کی صحت مندی کا تصور بھی کسی تمنا
سے کم نہیں۔ بزرگانِ دین کی تاریخ اٹھا کر
دیکھئے ان کے حالات پڑھ کر یہ اندازہ
ہوتا ہے کہ پہلے لوگ سراپا عمل اور سراپا
تقوےٰ ہونے کے باوجود بھی دوسروں
کو نصیحت کرتے ہوئے تھراتے تھے
کہ کہیں لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ
اور أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
أَنفُسَكُمْ کی زد میں نہ آئیں لیکن آج
معاملہ بالکل دگرگوں ہے وہ لوگ جو
قطعاً عمل سے بیگانے ہیں وہ خود کو
اسلام کا داعی اور دین کا مبلغ سمجھنے کی
زبردست خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں
حکمت تدبر اور تفقہ سے محروم لوگوں
کی زبان پر خوشنما نعرے سجے ہوئے ہیں، ہر
ایک منٹ کے بعد ایک لچھے دار تقریر ہو
رہی ہے ہر دو منٹ کے بعد ایک کتاب
چھپ کر مارکیٹ میں آرہی ہے لیکن مسلم
معاشرہ دن بدن گناہوں کی دلدل میں دھنستا
چلا جا رہا ہے سننے والے اور پڑھنے والے
تو ہیں ہی محروم عمل ۔ لیکن کہنے اور لکھنے
والے حضرات خود بدعملی اور بے کرداری
کی کیچڑ میں لت پت نظر آتے ہیں۔ یہی
وہ دور ہے جس کی پیشین گوئی ہزاروں برس
پہلے کی جا چکی ہے ۔ مسلم معاشرے کی
طرف ۔ دینی مدارس کی طرف خانقاہوں
درسگاہوں، تربیت گاہوں اور مرکزوں
کی طرف تفکر کی نظر ڈال کر دیکھئے ہر طرف
خوشنما الفاظ اور مسحور کر دینے والے دعووں
کی ریل پیل ہوگی لیکن اسلامی اعمال ۔
اسلامی اخلاق، اور اسلامی مزاج کا کوسوں
پتہ نہیں ہوگا۔ مسلم معاشرے میں فقیروں
مانگنے والوں کا عالم یہ ہے کہ ہر پانچواں
مسلمان فقیر نظر آتا ہے ۔ ہاتھ پیروں
سے صحیح تندرستی سلامت لیکن بھیک کا

پیالہ ہاتھ میں ہے۔ گذشتہ دور میں محتاج
اور اپاہج قسم کے لوگ زندگی کو باقی رکھنے
کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے
تھے اور موجودہ زمانہ میں فقیروں کی باقاعدہ
برادریاں ہیں ان میں پیدا ہونے والا ہر
شخص خاندانی فقیر ہے اور خود کو بھیک
کا مستحق سمجھتا ہے خواہ وہ کتنا ہی تندرست
اور ہٹا کٹا کیوں نہ ہو۔ پہلے خواہشات عمل
کی پابند تھیں اور آج عمل خواہشات کا
پابند ہے۔ جو نیکی انسان کو مرغوب لگتی
ہے بس وہ اسی پر قناعت کر کے بیٹھ
جاتا ہے۔ اور گمان یہ جما لیتا ہے کہ اس
سے زیادہ اسلام کو سمجھنے والا کوئی دوسرا
ہے ہی نہیں اور ساتھ ساتھ وہ یہ یقین
بھی دل میں بٹھا لیتا ہے کہ اس نیکی سے
اہم اور بڑی کوئی نیکی ہے نہیں جس کو اس
نے اپنی فطرت بنا رکھا ہے۔ عبد اللہ ابن
مسعودؓ روایت کے آخیر میں فرماتے ہیں
کہ نیک خصلت اور پاک طبیعت رکھنے والا
انسان ان لوگوں سے بہتر ہے کہ جو بظاہر
بڑے بڑے اعمال و افعال کا مظاہرہ کر
رہے ہوں لیکن انکی فطرتیں اور عادتیں
اسلامی روایات سے ہم آہنگ نہ ہوں۔

ہم میں سے ہر ایک شخص کو اپنے
طرز زندگی اور انداز فکر کا جائزہ لینا چاہئے
کہ ہم ان ہی لوگوں میں تو شامل نہیں جنکی طرف
مذکورہ روایات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ہم صرف
تحریر و تقریر کے رسیا تو نہیں۔ دوسروں
کے آگے کاسۂ گدائی لئے پھرنا تو ہماری
فطرت نہیں۔ اور کہیں ہمارے اعمال
ہمارے نفس اور خواہشات کے محکوم تو
نہیں۔؟ اگر انسان کو اپنا جائزہ لینے
کی توفیق ہو جائے تو ایک جہاں خود بخود
اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل ہو جائے لیکن
قابلِ افسوس بات تو یہ ہے کہ ہر طرف ایک
ہی صورت حال ہے ——

سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے
بے خبر —— اور سچ پوچھیے تو یہی برائیوں
کی اساس ہے۔ کسی بھی معاشرے
کو اسلامی معاشرہ بنانے کے لئے اپنی
اور اہل و عیال کی پھر اپنے قرابت
داروں کی اصلاح کرنی ضروری ہے
ہم دنیا کے لئے اگر اچھی اور پاکردار
اولاد پاک طینت گھرانہ
فراہم نہیں کر سکتے تو ہمیں اسلامی
اسٹیٹ کے رنگین خواب دیکھنے اور
دکھانے کا کیا حق ہے۔؟!

مولانا عبدالرؤف سکھروی

مسجد کے آداب

اور

ہماری کوتاہیاں

بعض نمازی مسجد میں آکر بیٹھنے سے پہلے اپنی پسند کی جگہ پر قبضہ جمانے کے لئے رومال تولیہ یا ٹوپی وہاں رکھ دیتے ہیں اور اس کے بعد وضو وغیرہ کرنے کے لئے جاتے ہیں مسجد میں پہنچ کر اس طرح کسی جگہ قبضہ کرنا جائز نہیں ہے البتہ پہلے سے کوئی نمازی مسجد میں کسی خاص جگہ پر بیٹھے پھر اتفاقاً اس کا وضو ٹوٹ جائے یا اچانک کوئی کام پیش آجائے اور وہ اپنی جگہ کوئی رومال وغیرہ رکھ کر وضو یا اس کام کو انجام دینے کے لئے چلا جائے تو واپس آکر اپنی جگہ بیٹھنے کا اسی کو حق ہے اگر کوئی دوسرا شخص بیٹھ جائے تو یہ اس کو اٹھا سکتا ہے۔

بعض مساجد میں اگر کسی عالم، مفتی مبلغ اور کسی بزرگ کی تقریر یا وعظ کا اعلان ہو تو وہاں گھنٹوں پہلے صف اول میں بالخصوص منبر کے پاس اور منبر سے نزدیک تر مقامات پر بڑے بڑے رومال اور چادریں، جگہ پر قبضہ کرنے کے لئے پھیلا دی جاتی ہیں، اور قبضہ کرنے والے حضرات خود غائب رہتے ہیں۔ بسا اوقات یہ لوگ اپنے گھروں، بازاروں اور اپنے دنیاوی کاموں میں مصروف رہتے ہیں یا پھر مسجد کے کسی دوسرے حصول میں یا حجروں میں آرام فرما رہتے ہیں۔ اور صف اول میں گویا ان کی سیٹ بُک رہتی ہے کہ جب چاہیں گے اپنی جگہ تشریف لے آئیں گے یاد رکھیں یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

مسجد خانۂ خدا ہے، کسی کی ذاتی ملکیت نہیں اس میں ہر شخص کو آنے اور عبادت کرنے کا حق ہے قبل از وقت اس طرح قبضہ کرنا وقف میں ناجائز تصرف تو ہے ہی دوسروں کی حق تلفی بھی ہے اور جو مسلمان تکبیر اولیٰ اور صفِ اول کے شوق میں اپنے گھروں سے وضو کرکے آتے ہیں مسجد میں پہنچ کر جب یہ صورت حال دیکھتے ہیں تو انہیں اس طرزِ عمل سے سخت اذیت ہوتی ہے اور ایذاءِ مسلم حرام ہے۔

بعض مرتبہ یہ قبضہ کرنے والے حضرات بہت تاخیر سے عین وعظ و تقریر یا نماز کے وقت پہنچتے ہیں ان کے آنے سے پہلے دوسرے مسلمان رومال وغیرہ ہٹا کر بیٹھ جاتے ہیں اور وہ ٹھیک کرتے ہیں، لیکن اب یہ صاحب رومال ان سے جھگڑا کرتے ہیں اور خود جھگڑا مذموم، دوسرے ناحق جھگڑا اور زیادہ مذموم پھر مسجد میں جھگڑا انتہائی مذموم اور اس جھگڑے سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا اور بھی بڑا گناہ کیا اب بھی کوئی ایسا کرنے کی جرأت رکھتا ہے۔

بعض مرتبہ یہ قبضہ کرنے والے حضرات اپنی روکی ہوئی جگہ کی حفاظت کے لئے کسی دوسرے شخص کو پہرہ دار اور نگراں مقرر کر جاتے ہیں اور پھر وہ نگراں آنیوالے نمازیوں سے لڑتا جھگڑتا ہے اور ذکر کردہ معاصی کا ارتکاب کرتا ہے

بعض مرتبہ یہ قبضہ کرنے والے مسجد تک آتے بھی نہیں دور ہی سے اپنے کسی دوسرے شخص کو جگہ گھیرنے کے لئے مسجد بھیج دیتے ہیں۔ وہ نگران سب کی طرف سے نائب بنکر قبضہ کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور نمازیوں کی کلفت کا باعث بنتا ہے

بعض دفعہ جس شخص نے جگہ روکی تھی یا جس کے لئے روکی گئی تھی اخیر تک نہیں آتا اور جماعت کے لئے اقامت شروع ہو جاتی ہے اور مسئلہ سے واقف نمازی رومال وغیرہ کی جگہ صف میں خالی چھوڑ کر صف بنا لیتے ہیں اور اس طرح صف میں خلا رہ جاتا ہے جس میں صریح خلاف ورزی ہے دین کی اور اس کا ذریعہ اور سبب بنا جگہ پر قبضہ کرنے والا یا کرانے والا۔ اگر کبھی ایسی صورت سامنے آئے تو فوراً یہ رومال وغیرہ اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دینا چاہئے اور صف درست کرلینی چاہئے۔

بعض مساجد میں امام کے مصلے کے پیچھے صف اول میں جہاں جماعت ہو وہاں امام کے پیچھے والی صف میں مؤذن صاحب

اپنا مصلی یا اور کوئی چیز بچھائے رکھتے ہیں تاکہ کوئی مقتدی اس جگہ نہ بیٹھ سکے اور نمازی حضرات بھی اس کو بُرا نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ بھی جائز نہیں ہے۔ بعض مؤذن یہ عذر پیش کرتے ہیں اگر وہ جگہ روکنے کے لئے مصلی وغیرہ نہ بچھائیں تو دوسرے نمازی اس جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور انہیں یہاں اقامت کہنے کے لئے جگہ نہیں ملتی۔ اس لئے وہ مصلی بچھاتے ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ان کا یہ عذر محض لغو ہے، اقامت کے لئے امام کے پیچھے والی جگہ مقرر نہیں ہے مؤذن صفوں میں کسی بھی جگہ ہو اسی جگہ سے اقامت کہہ سکتا ہے اور اگر امام کے پیچھے ہی اقامت کا شوق ہو تو پہلے سے تمام کاموں سے فارغ ہو کر اس جگہ خود آکر بیٹھنا چاہئے اور قیام جماعت کا انتظار کرنا چاہئے۔

بعض مساجد میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے والے حضرات بھی صفِ اول میں مطلوبہ جگہ پر قبضہ کرنے کے لئے رومال وغیرہ اذان سے پہلے رکھ دیتے ہیں اور خود اعتکاف گاہ میں یا مسجد میں کسی دوسری جگہ بیٹھیں ورنہ خود بیٹھے بغیر اس طرح قبضہ کرنا ان کے لئے بھی جائز نہیں وہ خانہ خدا میں عبادت کے لئے آئے ہیں معصیت کے لئے نہیں۔

مسجد میں اپنے نماز پڑھنے کیواسطے کوئی جگہ مقرر کرلینا بھی منع ہے اگر کوئی شخص ہمیشہ ایک ہی جگہ بیٹھتا رہتا ہو تو یہ جگہ ازروئے شرع اس کے لئے متعین نہیں ہوتی اگر کوئی دوسرا شخص اس سے پہلے جاکر اس جگہ بیٹھ جائے تو اس کو وہاں سے اٹھانے کا کوئی حق نہیں۔

بعض نمازی مسجد میں فرائض اور سنن ونوافل ادا کرنے کے لئے کسی خاص کھڑکی یا پنکھے کے نیچے یا اور کوئی خاص جگہ مقرر کرلیتے ہیں اور پہلے سے آکر اس جگہ بیٹھنے کا اہتمام کرتے ہیں اگر وہ کوئی جگہ مقرر نہ کریں تو پہلے سے آکر اپنی پسند کی جگہ بیٹھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن کبھی کسی وجہ سے وہ تاخیر سے پہنچے یا وقت پر پہنچے مگر ان سے پہلے کوئی دوسرا نمازی اس جگہ بیٹھ گیا اور اب ان کے لئے بیٹھنے کی وہاں بالکل کوئی جگہ نہیں ہے یا کچھ جگہ خالی ہے مگر اتنی نہیں کہ یہ آسانی سے بیٹھ جائیں تو اب یہ صاحب کسی دوسری جگہ بیٹھنا گوارا نہیں کرتے اور اپنے اس معمول کی خلاف ورزی کو فرض و واجب کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں اور

کسی نہ کسی طرح اس جگہ گھسنے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً یہ کہ کبھی ان بیٹھنے والے نمازیوں کے آگے جاتے ہیں اور کبھی ان کے پیچھے اور کبھی اس درمیان کے معمول خلا میں گھس جاتے ہیں جس سے دونوں طرف کے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، بہرحال مجبور ہوکر اور تکلیف جھیل کر وہ نمازی ان کو جگہ مہیا کرتے ہیں انھیں صرف اپنی اُس جگہ اور اپنے معمول کی فکر رہتی ہے۔ دوسروں کی اذیت اور تکلیف سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں یاد رکھئے یہ طرزِ عمل کسی طرح جائز نہیں

بعض نمازیوں کو صفِ اول اور امام کے پیچھے کھڑے ہونے کا بہت شوق ہوتا ہے اور یہ بڑا اچھا شوق ہے حق تعالےٰ مجھے بھی نصیب فرمائیں مگر اس میں بھی یہ خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ اس شوق کی تکمیل میں کسی دوسرے نمازی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ مثلاً عموماً ہوتا یہ ہے کہ صف اول میں دو نمازی قریب بیٹھے ہیں، ان کے درمیان کچھ جگہ خالی ہے صف اول میں اور جگہ ہے نہیں یا ہے مگر بہت دور ہے تو یہ آنے والے صاحب جلدی سے اور تیزی سے ان کے درمیان گھس جاتے ہیں جس سے ان دونوں کو جسمانی تکلیف پہنچتی ہے دوسرے اگر وہ کسی ذکر، مراقبہ یا دعا میں مشغول ہوں تو ان میں بُری طرح خلل واقع ہوتا ہے اس لئے ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے بالکل پیچھے بیٹھے رہیں جب اقامت ہو اور جگہ خالی ہو اس وقت شامل ہوں =

بقیہ تجلی کی ڈاک

کچھ کہیں یا نہ کہیں۔

بائن طلاق دینے کی صورت میں عدت کے دوران دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ عدت پوری ہونے کے بعد یہی طلاق، مغلظہ ہوجائے گی۔

اور مغلظہ طلاق کے بعد حکم یہ ہے کہ بغیر حلالہ کے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور حلالہ کیلئے شرط یہ ہے کہ کسی ایسے مرد سے نکاح کیا جائے جس میں صحبت کرنیکی صلاحیت موجود ہو، پھر خلوت بھی لازماً ہوچکی ہو۔ دراصل حلالہ ایک طرح کی سزا ہے جو شریعت مطاہرہ کیساتھ کھلواڑ کرنے پر لاگو کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ یہ تفصیل گوش گذار کرنیکے بعد آپ اپنے عزیز کی الجھن کا تجربہ اور اس کا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

حسن احمد صدیقی
فاضل دارالعلوم دیوبند

تجلّی کی ڈاک

اہلِ حدیث کی اقتدا

سوال ۱: سید سمیع اللہ

میسور کرناٹک ریاست کے ضلع کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو پہاڑ کے دامن میں واقع ہے میرا یہاں پر تبادلہ ہوا ہے اس شہر میں مسلم آبادی اچھی خاصی ہے۔ لیکن یہاں کی جماعت کے دو فرقے ہے۔ ایک احناف اور ایک اہل حدیث۔ اسی طرح مساجد بھی دو ہیں۔ ہمارا مکان ایسے محلہ میں واقع ہے جہاں سے اہل حدیث جماعت کی مسجد تقریباً ایک سو قدموں کی مسافت کی دوری پر ہے بالکل قریب ہے دوسری مسجد اہلِ احناف والی جماعت کی ایک دوسرے محلہ میں ہے۔ جو تقریباً دو فرلانگ کی دوری پر ہے میرا تعلق بھی احناف ہی سے ہے۔

اب تشویش طلب بات یہ ہے کہ آیا؟ مجھے پانچوں وقت کی نماز احناف والی مسجد میں جو دوسرے محلہ میں واقع ہے جاکر ادا کرنی چاہیے یا قریب ہی میں جو اہل حدیث صاحبان کی مسجد ہے۔ وہیں ادا کر سکتا ہوں دونوں مساجد میں اذان اور جماعت پابندی کے ساتھ ہوتی ہے امام صاحب کا انتظام کیا گیا ہے

نوٹ:۔ اہل حدیث کے ہاں نماز میں اتنا فرق ہے۔

۱۔ فرض نماز کے بعد امام صاحب دعا نہیں پڑھتے بلکہ مقتدیوں کو الگ

الگ دعا پڑھنی چاہیے ۔

۲۔ یہ لوگ رفع یدین کے عامل ہیں

۳۔ امام کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین بالجہر کہتے ہیں ۔

۴۔ رکوع اور سجود کی تسبیح بالجہر پڑھتے ہیں۔

جواب:۔ ۱۔ اگر آپ حنفی ہیں تو آپ کے لئے مناسب یہ ہے کہ آپ احناف ہی کی مسجد میں نماز ادا کریں۔ خواہ اس کے لئے آپ کو تھوڑی سی زحمت گوارہ کرنی پڑے جو نمازیں آپ اب تک ادا کر چکے ہیں ان کے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو ہو ہی گئیں آئندہ کے لئے احتیاط لازم ہے۔

۱۔ احناف کے نزدیک دعا کی مقبولیت کے لئے سب سے زیادہ اہم اور قیمتی وقت نماز ادا کرنے کے بعد ہے۔ پھر اجتماعی دعا انفرادی دعا کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے جس طرح اجتماعی طور پر نماز پڑھنے گنہگاروں کی نمازیں بھی قبول ہو جاتی ہیں اور گیہوں کے ساتھ کنکریوں کے دام بھی مل جاتے ہیں بالکل اسی طرح اجتماعی دعائیں کسی ایک نیک بندے کی خاطر قبول کرلی جاتی ہیں۔ فلہٰذا نقل کے ساتھ ساتھ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فرض نمازوں کی ادائیگی کے بعد دعا اہتمام و پابندی کے ساتھ مانگی جائے

۲۔ احناف کے نزدیک رفع یدین جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے اور اس امام کے پیچھے نماز ادا کرنے سے اجتناب ہی کا اولیٰ ہے جو رفع یدین وغیرہ پر عمل پیرا ہو۔

۳۔ یہ اہل حدیث اور شوافع کا معروف مسلک ہے۔ انہیں ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے۔ آپ خود احتیاط برتیں۔

۴۔ اس بارے میں اہل حدیث کا عام مسلک تو وہی ہے۔ جو احناف کا ہے لیکن ممکن ہے کہ کچھ علاقوں کے لوگ رکوع کی تسبیح بالجہر پڑھنے کے قائل ہوں۔ بہر حال اس سے بھی احتراز برتیے۔

مسلمانوں میں جتنی بھی جماعتیں ہیں ان سب کا اپنا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ ان کا مسلک برحق ہے اور دوسرے لوگ غلطیوں پر ہیں یہ دعوے احناف

کا بھی ہے اور یہی دعویٰ شوافع اور اہل حدیث کا بھی ہے۔ کوئی جماعت اور کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے پاس ڈھیروں دلائل موجود نہ ہوں۔ عوام کو بحث و مناظرے میں الجھنے کی بجائے اپنے مسلک پر قناعت کر لینی چاہیئے۔ بحث و مناظرہ علماء و مناظرین کا کام ہے عوام ان چیزوں میں الجھیں گے تو دین کو اس سے زبردست نقصان پہونچے گا جیسا کہ موجودہ زمانہ میں پہونچ رہا ہے۔

آپ اہل حدیث امام کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے احتیاط رکھیں لیکن ان سے الجھنے کی اور بحث کرنے کی بالکل کوشش نہ کریں اس لئے کہ اس طرح عوامی لڑائیوں سے امت مسلمہ میں تفریق اور فتنہ پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے جو انتہائی مذموم ناپسندیدہ مہلک اور نقصان دہ چیز ہے۔

خطبہ کے دوران نفل نماز

سوال ۳ (ایضاً)

نماز جمعہ کی اذان امام صاحب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے اذان کے فوراً بعد خطبہ شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد نماز۔ ایسی صورت میں اذان سے پہلے سنت اور نوافل کا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں۔

براہ کرم صحیح جواب سے اطلاع فرمائیں خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

جواب ۳ جمعہ کے دن دو اذانیں ہوتی ہیں ایک تو حسب دستور برائے اعلان نماز اور دوسری برائے اعلان خطبہ۔ پہلی نماز کے بعد سنن و نوافل پڑھ لینی چاہئے۔ البتہ خطبہ کی اذان کے بعد سنن و نوافل پڑھنا درست نہیں ہے

(واللہ اعلم)

ہبہ شدہ جائداد میں سے مہر کی ادائیگی

سوال ۳ محمد احمد سردار علی ہرنج بھامی

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک خاوند اپنی بیوی کا مہر ادا کرنا چاہتا ہے۔ دوراننا لیکہ وہ خاوند اپنی ذا

جائداد بیوی کے نام رجسٹر کر چکا ہے خاوند ضعیف العمر بھی ہے اور دوسری کوئی جائداد اس کے نام پر نہیں ہے اب وہ اسی جائداد سے اپنی بیوی کا مہر ادا کر دینا چاہتا ہے اس کے تعلق سے فتویٰ دیجئے۔

جواب ۳:۔ اگر رجسٹرڈ کر دینے سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد ساری جائداد بیوی کی ملکیت ہو گی تو پھر اسی جائداد میں سے مہر کی ادائیگی کی جا سکتی ہے لیکن اگر رجسٹرڈ کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ کل جائداد زندگی ہی میں بیوی کو بطریق "ہبہ" سونپ دی گئی ہے تو پھر اس جائداد میں سے مہر ادا کرنا جائز نہیں ہو گا۔

شریعت نے مہر ادا کرنے کا جو مقصد متعین کیا ہے وہ کل جائداد بیوی کے نام کر دینے سے بھی پورا ہو جاتا ہے اس لئے ایسی صورت حال میں بیوی کو مہر معاف کر دینے چاہئیں ورنہ پھر بیوی ہی سے قرض حسنہ لے کر یا کسی اور عنوان سے رقم لے کر مہر ادا کئے جائیں مہر ایک طرح کا قرض ہے اس کی ادائیگی اسی دنیا میں ہونی چاہئے۔

شرعی دینار؟

سوال ۳ (ایضاً)

کیا فرماتے ہیں علماء دین آجکل کے رواج سے ہندوستان میں یہ رواج چلا آرہا ہے کہ مہر میں سکہ رائج الوقت کے علاوہ دو شرعی دینار بھی باندھتے ہیں اور وہ نہیں جانتے ہیں کہ آیا کہ یہ دینار نقرئی ہیں یا طلائی ہیں اور اس کی قیمت کیا ہے تفصیلی جواب دیں تو بہت مناسب ہے۔

جواب ۳:۔ دنیا کا کوئی سکہ خواہ وہ درہم و دینار ہی کیوں نہ ہو "شرعی" کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ درہم اور دینار کو عربی سکہ ہونے کی وجہ سے باعث برکت سمجھا جاتا ہو گا۔ یا پھر اس لئے دینار کی قید لگاتے ہوں گے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے مہر درہم و دینار ہی کے ذریعہ ادا کئے۔

اگر وجہ یہی ہے کہ تو پھر زندگی کے دوسرے لین دین میں بھی درہم و دینار کی شمولیت ضروری ہے اور

زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کی ادائے گی میں تو درہم و دینار کا استعمال نسبتاً زیادہ ضروری قرار پاتا ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائےگی مہر کی ادائیگی سے زیادہ اہم ہے۔

رنج و افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے دین میں نئی نئی ایجادات کرکے سیدھے سادھے دین کو عجوبہ بنا رکھا ہے۔ نکاح ہو ہندوستان میں۔ پھر پوری زندگی گذرے ہندوستان میں لیکن جب مہر ادا کرنے کا وقت آئے تو جاؤ عرب اور لاؤ دو دینار مہیا کرکے ورنہ مہر کی ادائیگی ممکن نہیں ہوگی لاحول ولا قوۃ۔

یاد رکھئے کہ اسلام ساری دنیا کے انسانوں کے لئے مبعوث ہوا ہے وہ کسی ایک علاقے کے سکوں اور طریقوں کا پابند نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دینار کو شرعی سمجھتا ہے تو وہ بہت بڑی غلطی کا شکار ہے۔

عرب کا کوئی سکہ خواہ وہ درہم ہو یا دینار خواہ وہ نقری ہو یا طلائی شرعی کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ عرب کے مروجہ سکے کو شرعی سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی عرب میں رائج شدہ اینٹ کو شرعی اینٹ تصور کرنے کی غلطی میں مبتلا ہو جائے پھر دنیا میں یہ شور مچاتا پھرے کہ میں نے جو مکان تعمیر کیا ہے اس میں دو شرعی اینٹیں بھی شامل ہیں۔

ایک گھریلو مسئلہ

سوال ۱۲ وزیر علی خان رانی بنور

میں گھریلو پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ میری شادی ہوئے آٹھ دس سال کا عرصہ ہوا ہے۔ میری بیوی سے ایک اولاد بھی ہے میرے سسرال والے اچھی عادات واطوار کے نہیں ہیں۔ اور ان کو میرے گھر آنے کو بھی سختی سے منع کرتا ہوں اور آنے بالکل نہیں دیتا۔

اور میری بیوی بھی اپنی طرف کے لوگوں کو آنے نہیں دیتی سختی سے منع کرتی ہے۔ لیکن اب ایک دو سال سے وہ لوگ میرے گھر آجا رہے ہیں میری غیر حاضری میں میری بیوی خاموش رہتی ہے میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ میری غیر حاضری میں ان لوگوں کو آنے نہ دے۔ تو خاموش

رہتی ہے۔
مجھے شک ہو گذرا ہے وہ یعنی میرے سسرال والے مجھے میری بیوی سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ ٹونے ٹوٹکے بھی کر رہے ہیں جس سے ہم دونوں میں جھگڑے وغیرہ کر کے علیحدہ ہو جائیں پہلے اپنے میکے جانا ہی نہیں چاہتے والی اب میری اجازت کے بغیر میکے جانا شروع کر رہی ہے جس سے میں بہت پریشان ہوں۔
آپ سے گذارش ہے آپ قرآن و سنت کے مطابق جواب دیں۔ مجھے کیا کرنا ہے اور میں کونسا عمل کروں جس سے میری پریشانیاں دور ہوں اور ہنسی خوشی ہم زندگی بسر کریں جس سے اللہ بھی خوش ہو اور ہماری زندگی بھی آرام سے گذرے اور میرے دشمنوں کو اللہ کی مار ہو۔ جو میاں بیوی کے درمیان دیوار کھڑی کر رہے ہیں۔

جواب ۲: محبت، خدمت، حسن تدبیر اور حسن اخلاق کے ذریعہ آپ بیوی کے دل و دماغ پر فتح پا سکتے ہیں۔ اور بیوی کے دل و دماغ پر فتح پالے کے بعد آپ کو کسی اندیشے اور خدشے میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں بہت بڑے ہوتے ہیں وہ لوگ جو میاں بیوی کے درمیان بدگمانیاں پیدا کرنے اور تعویذات وغیرہ کے ذریعہ ان کے تعلقات کو خراب کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ تعویذات میں کچھ نہ کچھ اثر انگیزی تو ہوتی ہی ہے۔ لیکن صرف اتنی جتنی دوسری ادویات میں۔ دوائیں کسی انسان کو اس وقت تک فائدہ نہیں پہو نچا سکتی جب تک خدا کی مرضی شامل حال نہ ہو بالکل اسی طرح تعویذ بھی کسی کو اس وقت تک فائدہ یا نقصان نہیں پہو نچا سکتا جب تک خدا نہ چاہے۔ تعویذات اپنا اثر دکھانے میں قدرت خداوندی کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ سمجھ لینا کہ مخالفین تعویذ بازی پر لگے ہوئے ہیں لہٰذا بیوی ہاتھ سے جا کر رہے گی بہت بڑی غلطی ہے۔ آپ صبر کریں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ اور محبت اور حسن تدبیر کے ذریعہ بیوی کا دل جیتنے کی برابر کوشش

کرتے رہیں۔ اگر بیوی کی محبت و
ہمدردی اور ہمنوائی آپ کو میسر رہی
تو پھر آپ کے گھر کوئی آئے یا جائے
لیکن انشاءاللہ آپ کا گھر سازشوں
اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ و
مصئون رہے گا۔ جو کلمات ہم نے
آپ کو جوابی خط میں لکھے ہیں ان
کا ورد رکھیں۔ انشاءاللہ وہ آپ
کے لئے تیر بہدف ثابت ہوں
گے

بابت طلاق

سوال ۵ فرمان علی۔ ناگپور
مہاراشٹر

عرض یہ ہے کہ بہت دنوں
سے میرے ایک عزیز نے مجھ
سے طلاق کے مسئلہ کا ذکر کیا تھا
برائے مہربانی میرے سوال کا
جواب آپ پوسٹ کارڈ یا تجلی
میں درج کرا کے اس کا جواب دیں
آپ کی عین نوازش ہوگی۔

" طلاق کا مسئلہ کیا ہے اگر
کوئی شخص اپنی بیوی کو پہلی بار طلاق
دیتے ہیں اور وہ دوبارہ کچھ عرصہ
بعد وہی شخص اپنے شریک حیات کو
واپس لینا چاہتا ہے۔ تو اس کے
بارے میں آپ برائے کرم مسئلہ
لکھ بھیجیے۔

جواب ۵: اس طرح کے مسائل
سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے
بہشتی زیور گھر میں رکھئے۔

طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ رجعی بائن
مغلظہ اگر ایک طلاق دی جائے تو
اسے رجعی کہتے ہیں۔ اگر صاف
لفظوں میں دو طلاقیں دی جائیں
یا کسی شرط کے ساتھ مشروط کر کے
تعداد کی وضاحت کئے بغیر طلاق
دی جائے اور عدت پوری ہو جائے
(تین ماہ دس دن) تو یہ بائن کہلاتی
ہے اگر تین طلاقیں دی جائیں خواہ
ایک مجلس میں (احناف کے نزدیک)
خواہ مختلف اوقات اور مختلف
مجالس میں یہ متفقہ طور پر سبھی
ائمہ کے نزدیک مغلظہ کہلاتی ہے۔
رجعی طلاق دینے کی صورت میں عدت
کے دوران میاں بیوی باہم رضامندی
سے رجوع کر سکتے ہیں۔ اگر اسی
عرصہ میں وہ خلوت کر لیں تو بھی
رجوع ہو جائے گا۔ خواہ زبان سے

باقی صفحہ ۹ پر

سرمہ دُرِّ نجف

حضرات اکابرین ملت کی نظر میں

ارشادات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ۔

• آپ کا سرمہ اس درجہ مفید ہے کہ آپ اس کی توصیف میں جو چاہیں میری طرف سے لکھ دیں میں اس کی تصدیق کروں گا۔

ارشاد حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہٗ

• میں نے سرمہ دُرِّ نجف استعمال کیا اور دوسرے اعزا کو استعمال کرایا۔ قبل اس کے بہت سے سرمے میں نے استعمال کئے سب سے اچھا اور بہتر اسے پایا۔ مجھے امید ہے کہ جو شخص اسے استعمال کرے گا وہ میرے بیان کی تصدیق صرف زبان سے نہیں بلکہ آنکھوں سے کرے گا۔

ارشاد حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

• میں نے یہ سرمہ استعمال کیا، آنکھوں کو تقویت اور جلا دینے میں مفید پایا۔ امید ہے کہ اہل بصیرت اس بصارت افزا سرمہ کا استعمال کرکے اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جس پر بعد تجربہ کے میں پہنچا ہوں۔

ہماری مطبوعات

کتاب		قیمت
مسجد سے میخانے تک	اول	۱۶/-
"	دوم	۱۷/-
بدعت کیا ہے		۱۲/۵۰
مولانا مودودی سے ملیئے		۲۰/-
فتوح الغیب		۱۰/-
مولانا مودودی اور تصوف		۷/-
تلاش راہ حق		۷/-
قرآن اور حدیث		۶/۵۰
آداب زیارت قبور		۱/۲۰
تحریک وہابیت پر ایک نظر		۱/۳۰
تقلید کیا ہے		۱/۵۰
فرقہ بدعت کے چور دروازے		۷/۵۰
آخرت سے غفلت کیوں		۷/۵۰
اپنی اصلاح آپ		۱/۲۵
اسلامی نظام ہی کیوں		۱/۲۰
تفسیر سورۂ نور		۱۰/-
تنبیہ الغافلین		۲۴/۵۰
شہید لئے بعد		۱/۵۰
کیا ہم مسلمان ہیں	اول	۸/۵۰
" "	دوم	۱۰/۵۰
" "	سوم	۱۱/-
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے		۶/۴۰
کمیونزم یا اسلام		۱/۲۰
وجد و سماع		۳/-
اسلامی خطوط نویسی		۱/۸۰
مقام صحابہ		۳/-
اسلام اور کفر کی حقیقت		۱۰/-

مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

کتاب الاختلاف

اہلِ حدیث، اصحاب بریلی، اہلِ قرآن، اربابِ قادیانیت وغیرہ جیسے فرقوں اور بے شمار اختلافی مسئلوں پر ایک جامع کتاب

مصنف :- مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ کتاب قسط وار جنوری ۱۹۸۲ء کے شمارے سے انشاءاللہ ماہنامہ تجلی میں چھاپی جائے گی۔

یہ کتاب ادارہ تجلی کی طرف سے قارئینِ تجلی کے لئے، ایک گراں قدر تحفہ ثابت ہو گی۔

المعلن ابو سفیان عثمانی ابنِ مولانا عامر عثمانی رح

تجلی

منیجر- ماہنامہ تجلی دیوبند (یوپی)

تجلی کی ڈاک

کی اہمیت سے کون علم دوست مسلمان واقف نہیں، حضرت مولانا عامر عثمانیؒ نے کم و بیش تیس سال تک علمی مسائل کی جو گتھیاں سلجھائی ہیں اس کے معترف حضرتِ موصوف کے مخالف بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ موصوف سے علمی اختلاف رکھنے والے علم دوست حضرات نے وقتاً فوقتاً تجلّی کی ڈاک یکجا کرنیکی فرمائش کی ہے۔

بے پناہ فرمائشات کے پیش نظر ادارہ نے تجلّی کی ڈاک کو "النوادالفقر" کے عنوان سے قسط وار چھاپنے کا پروگرام بنالیا ہے ہر دو ماہ کے بعد ایک قسط منظرِ عام پر آئے گی، ہر قسط ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہوگی قیمت فی قسط دس روپے وی پی خرچ پانچ روپے، مستقل ممبران کیلئے ڈاک خرچ معاف صرف ایک روپیہ روانہ کرکے ممبر بنیے۔

پتہ

عامر عثمانی بورڈ۔ دیوبند (یوپی)

ماہنامہ

تجلی

دیوبند

تاریکیوں میں ایک چراغ

A.187
16.1.82

انی مولانا عامر عثمانی — مدیر مولانا حسن احمد صدیقی

منیجر ابوسفیان عثمانی

دارالعلوم دیوبند کے صحیح حالات جاننے کیلئے

کا پابندی کے ساتھ مطالعہ کیجیے سالانہ
قیمت دس روپے

ایڈیٹر :- فیض الحسن انصاری فاضلِ دیوبند

پتہ

دفتر اجتماع دیوبند (یوپی)

(اداریہ) حسن احمد صدیقی

اجلاس صد سالہ کے بعد سے دارالعلوم دیوبند فتنوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ تشدد گروہ بندی اور عداوت و منافرت کی زہریلی ہواؤں نے مسلکِ دیوبند اور اسکے تقدس کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے ہیں صورتِ حال اس درجہ سنگین نہیں ہوسکتی تھی اگر مجلس شوریٰ کے ممبران اپنی ذمہ داریوں سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہونے کی کوشش فرماتے مولانا اسعد مدنی کو فضلاء دارالعلوم کی تنظیم قائم کرنے کا اصولاً کوئی حق نہیں تھا پھر انہوں نے دوسری حرکت یہ کی کہ تنظیم فضلاء کے خود ہی صدر بھی منتخب ہو گئے ابنائے قدیم میں حضرت مہتمم صاحب اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب وغیرہ جیسے معمّر اور قابلِ اعتماد بزرگ موجود ہیں ان بزرگوں کی موجودگی میں مولانا اسعد مدنی کا صدر بنکر بیٹھ جانا اتنی بڑی گستاخی ہے کہ تاریخ اسلام اس گستاخی کو بھی معاف نہیں کر سکے گی مولانا اسعد مدنی اس سے پہلے بھی کئی بار کئی محاذوں سے دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ سے متصادم ہو چکے ہیں لہٰذا ان سے اس بات کی توقع رکھنا ہی بے سود ہے کہ وہ انتظامیہ کی اور اس کے سسٹم و وقار کی پرواہ کریں گے وہ تحفظ دارالعلوم کے نام پر انتظامیہ کو جتنا بھی بدنام کریں کم ہے۔ افسوس تو ممبرانِ شوریٰ کی روش پر ہوتا ہے جو مولانا اسعد مدنی کے مزاج اور جغرافیہ سے واقف ہونے کے باوجود بھی اب تک ان کے بارے میں کوئی ٹھوس بات اپنی زبانوں سے نہیں نکال سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مجلس شوریٰ کے پچھلے ممبران کو معطل کر دیا ہے اور حضرت مہتمم صاحب کے لئے اسکے سوا اب کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔

ممبران شوریٰ کی بزرگی کتنی وزن دار کیوں
نہ ہو وہ دارالعلوم دیوبند اور دین اسلام
سے زیادہ وزن دار نہیں ہو سکتی۔ ممبران شوریٰ
کی روش دارالعلوم دیوبند کو اور دین اسلام
کو کھلا نقصان پہونچا رہی تھی لہٰذا یہ
ضروری تھا کہ انہیں معطل کر کے دوسرے
افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے۔ بانی
دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی رح کا
منشاء بھی تھا کہ مہتمم اصحاب رائے سے مشورے
کرتا رہے صرف اپنی عقل پر بھروسہ نہ کرے
حضرت مہتمم صاحب نے سابقہ ممبران کو
(جن میں کے بعض ممبران علی الاعلان فروخت
ہو چکے ہیں اور بعض کی روش انتہائی
بزدلانہ ہے) معطل کر کے دارالعلوم دیوبند
پر اور امت مسلمہ پر عظیم الشان احسان
کیا ہے۔ ورنہ اندیشہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ
دارالعلوم دیوبند سیاست فاحشہ کا اڈا نہ
بن جائے۔ اور مجلس شوریٰ کا زعم زیادہ [illegible]
دارالعلوم کی بنیادیں ہی کھوکھلی نہ کر دے
تکلیف دہ بات یہ ہے کہ مولانا منظور
نعمانی جیسے ممبران تصویر کا ایک رُخ
پیش کر رہے ہیں اور اپنے تئیں وہ
اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم جو کر رہے
ہیں وہ سب خدمت دین کے رجسٹر میں درج
ہو رہا ہے۔ مولانا منظور نعمانی نے حضرت
مولانا اسعد مدنی کی فرمائش پر حکیم
الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند کو ننگا کرنے کا
جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ انتہائی شرمناک
ہے کاش مولانا منظور نعمانی کو اس بات
کا احساس ہو جائے کہ حضرت مہتمم صاحب
کو ننگا کرنے کی خواہش نے انکے اپنے کپڑے
بھی اتروا دیئے ہیں۔ آج باشعور انسانوں
کی ایک بہت بڑی جماعت علمائے دین
سے بیزاری کا اظہار کر رہی ہے۔ مولانا
منظور نعمانی جیسے حضرات کا خود اپنا وقار
بھی اس طوفان بدتمیزی میں تنکۂ بے جان
کی طرح بہہ گیا ہے جو قاری طیب کے
وقار کو بہا دینے کے لئے جاری کیا گیا
تھا۔ مولانا ابوالحسن ندوی کی روش
جداگانہ ہے۔ انہوں نے حضرت مہتمم
صاحب کے بارے میں ابھی تک اپنی
زبان سے کوئی توہین آمیز جملہ خارج نہیں
کیا۔ البتہ یہ طے ہے کہ ان کی روش بھی
صرف ایک پالیسی ہے حق نوازی اور
دیانت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔
بحیثیت مجموعی علی میاں صاحب کا ذہن
بھی ان شر پسندوں کی کمر تھپتھپاتا
رہا ہے جنہوں نے اسلاف کی عزت و عظمت
کو چوراہے پر لا کر ذبح کر دیا ہے۔

حضرت مہتمم صاحب نے مخلصین دارالعلوم کا ایک نمائندہ اجتماع ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو دہلی میں بلایا تھا۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے علی میاں صاحب رقم طراز ہیں

دارالعلوم کے نظم ونسق کے بارے
میں فیصلے کرنے اس کے لئے نیا
دستور بنانے یا قدیم دستور میں
ترمیم وتنسیخ کرنے کا حق د
اختیار صرف مجلس شوریٰ کو ہے

(روزنامہ قومی آواز دہلی)

کتنی عجیب وغریب قسم کی زبردستی ہے کہ صورت حال کچھ بھی ہو۔ اور ممبران شوریٰ ضمیر فروشی اور مرعوبیت کے کسی بھی مرحلہ سے گذر جائیں لیکن اعتماد کے قابل وہی رہیں گے۔ کسی شخص کو چون وچرا کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا ہمیں حیرت ہے کہ مولانا ابوالحسن ندوی جیسے اکابرین اپنے مدارس کے لئے جو دستور بناتے ہیں اس میں کل اختیارات مہتمم کے لئے وقف رہتے ہیں مجلس شوریٰ کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی لیکن جب دارالعلوم دیوبند کا معاملہ سامنے آتا ہے تو شوریٰ حاکم اعلیٰ بن جاتی ہے اور مہتمم ان کے ہاتھ کی کٹ پتلی۔ مولانا علی میاں قرآن و حدیث کی روشنی صرف اتنا انکشاف فرمادیں تو امت مسلمہ پر ان کا احسان ہوگا کہ اگر شوریٰ کے ممبران کھلی ہوئی غلطیوں کے مرتکب ہوں تو ان کے خلاف مقدمہ کی سماعت کون کرے گا؟ اگر خود ممبران شوریٰ ہی تو یاد رکھئے یہ اصولاً غلط ہے مجرم کو مجسٹریٹ بننے کا کوئی حق نہ شرعاً حاصل ہوسکتا ہے نہ عقلاً۔ لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ شوریٰ جب غداری پر اتر آئے تو فیصلہ کی باگ ڈور کسی اور جماعت کے حوالہ کی جائے وہ جماعت کل حالات کا جائزہ لیکر ممبران شوریٰ کے لئے کوئی سزا تجویز کرے۔ دارالعلوم دیوبند کے دستور میں جو اگرچہ ہمارے بزرگوں کا مرتب کردہ ہے کئی اجزا شریعت اور عقل انسانی کے خلاف پڑتے ہیں بہتر ہوگا کہ ہمارے موجودہ بزرگ دستور دارالعلوم کا تنقیدی جائزہ لیں —— نقد ونظر کے بعد انہیں خود یہ اندازہ ہو جائے گا کہ دارالعلوم دیوبند کا دستور اساسی اپنے اندر بہت سی خامیاں رکھتا ہے اور ان خامیوں کی موجودگی میں شوریٰ فرعونیت کی ہر راہ اختیار کرسکتی ہے سردست ہم صرف اتنا کہنے پر قناعت کریں گے کہ یہ دستور نہ شرعی ہے اور نہ جمہوری اسمیں کچھ اجزا ایسے ہیں جو جمہوریت کے

خلاف پڑتے ہیں اور کچھ اجزا ایسے ہیں جو واضح طور پر شریعت مطہرہ سے متصادم ہیں۔ مولانا علی میاں جیسے اکابر اگر دستور کو بنظر غائر دیکھنے کی زحمت گوارہ کرلیں تو یقین ہے کہ انہیں دستور کی خامیوں کا پورے طور پر یقین ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ ہمارے موجودہ اکابر [illegible] دارالعلوم دیوبند کا [illegible] لوگوں نے مرتب کیا [illegible] کتنے ہی مقدس سہی نفس اور بشریت کے [illegible] ان میں بھی تھے۔ غلطیاں ان سے غیر دانستہ بھی ممکن تھیں اور دانستہ بھی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے فساد کی جڑ ہی یہ عقیدہ ہے کہ جو ہمارے بزرگ کر گئے اسے آنکھیں بند کرکے تسلیم کرتے جاؤ خواہ شریعت اور عقل عام کی رائے کچھ بھی ہو۔ مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ نے ایڈہاک کمیٹی سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ۔

ایڈہاک کمیٹیاں اگر دستور بنانے لگیں تو ہمارے مدارس کا کیا حشر ہوگا۔

افسوس کہ مولانا ابوالحسن ندوی کو اب بھی دوسرے مدارس کی فکر ہوئی —— اس لئے کہ دوسرے مدارس میں ان کا اپنا مدرسہ بھی شامل ہے کاش انہیں مدارس کے مرکز عظیم دارالعلوم دیوبند کے وقار کی فکر ہوتی۔ تو نوبت یہاں تک نہ پہونچتی جہاں تک اب پہونچ چکی ہے مولانا اسعد مدنی نے طلبا کے ذہن کو اس درجہ مسموم کر دیا ہے کہ وہ آئے دن اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی پگڑیاں انتہائی بے شرمی کے ساتھ اچھالتے رہتے ہیں۔ لیکن آج تک مولانا ابوالحسن ندوی نے مولانا اسعد مدنی سے اس تشویش کا اظہار نہیں کیا ہے کہ اے محترم صاحب زادے اگر طلبا کا ذہن اسی طرح بگاڑا جاتا رہا تو آئندہ چل کر علمی مدارس کا حشر کیا ہوگا؟ ایڈہاک کمیٹی کے زد میں چونکہ وہ خود بھی آتے ہیں اس لئے انہیں اپنے اور مدارس کے حشر کی فکر ہوئی؟ کیا تقوی اور دیانت اسی کو کہتے ہیں۔؟ کیا پیام انسانیت کی معراج یہی ہے؟

ہم ادب و احترام کے ساتھ مولانا ابوالحسن ندوی سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر لکھنو کا کوئی دیوانہ یا کوئی گروہ ندوہ جدید [illegible]

ندویوں کی ایک تنظیم قائم کرکے ندوۃ العلماء کے حساب و کتاب کے پیچھے پڑ جائے اور آپ کے جو رشتے دار آپ کے اقتدار کی وجہ سے ندوۃ العلماء میں ملازم ہیں ان کو لگے ہاتھوں لینے لگے تو آپ کی روش کیا ہوگی؟ کیا آپ اس کے سوا کچھ اور کرسکیں گے جو حضرت مہتمم صاحب نے کیا؟ کیا آپ یہ اعتراض برداشت کرلیں گے کہ آپ اقربا نواز ہیں۔ جبکہ یہ درست بھی ہو! ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے معاملہ میں اتنے حساس ہیں اور حضرت مہتمم صاحب کے معاملہ میں بالکل ہی بے نیاز بنے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ آپ بہت بڑے ہیں عظیم ہیں۔ شاندار ہیں۔ ملت کی نظروں میں قابل اعتماد ہیں لیکن اے محترم بزرگ مولانا اسعد مدنی نے طلباء اور عوام الناس کا جو ذہن بنادیا ہے یہ ذہن آج قاری طیب صاحب کے حق میں تباہ کن بنا ہوا ہے اور کل آپ کے حق میں تباہ کن ثابت ہوگا۔ مشق تو کھل ہی چکی ہے آج قاری طیب صاحب کا گھر نشانہ بنا ہے کل آپ کا گھر نشانے پر ہوگا

آپ ایڈہاک کمیٹی کو تشویش کی نظروں سے دیکھنے کی بجائے اس ذہنیت کو تشویش کی نظروں سے دیکھنے کی زحمت فرمائیں جس کی کاشت علمی مدارس میں سیاسی لوگ عرصۂ دراز سے کر رہے ہیں اور یہ وہی ذہنیت ہے جس کی مخالفت انتہائی شدومد کے ساتھ آج سے چالیس برس پہلے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ نے فرمائی تھی۔

مولانا رحمۃ اللہ نے سیاست کو مدارس کے حق میں زہر قاتل قرار دیا تھا۔ ان کا وہ دعویٰ بالکل درست ثابت ہوا۔ آج مدارس میں اس سیاست کے ہاتھوں علماء کی عزت و آبرو کا جو قتل عام ہو رہا ہے اسے ہر آنکھ رکھنے والا دیکھ رہا ہے۔ اس سیاست کا اور اس سے تعلق رکھنے والوں کا گلا اگر اب بھی نہ گھونٹا گیا تو ایک دن اس سرکشی اور وحشیانہ قسم کے مظالم سے تمام علماء حق کو دوچار ہونا پڑے گا جس سے آج قاری طیب دوچار ہیں۔ ظلم وستم کی یہ آگ جو آج قاری طیب کے گھر میں لگی ہوئی ہے عنقریب آپ کے گھر میں بھی لگے گی اور آپ بھی ایسی ایڈہاک کمیٹی کو جنم دینے پر مجبور ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ۔

بقیہ کھرے کھوٹے

شہروں میں گھنڈرات یا پختہ عمارتیں دیکھئے تو ملتی ہیں وہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتی ہیں مسلمانوں کو ماضی میں ہزار بار عظمتیں ملیں اور پھر برائے امتحان یا برائے عذاب چھین لی گئیں۔

مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو اسلام کی عظمت رفتہ سمجھنا بہت بھاری غلطی ہے۔ اسلام جتنا عظیم ماضی میں تھا اتنا ہی عظیم حال میں ہے اور جتنا عظیم حال میں ہے اتنا ہی عظیم قیامت تک رہے گا۔ اسلام کی عظمت کبھی فنا ہونے والی نہیں مسلمان اگر اسلام کو چھوڑ دیں تو وہ خود ایک کھنڈر میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ لیکن اسلام کا ماننے والا اگر ایک بھی اس دنیا میں نہ رہے تو بھی اس کی عظمت و بڑائی میں کوئی فرق پڑنے والا نہیں۔

ص ایک مکاشفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

دارالعلوم کا صفہ وہ مقدس ادارہ ہے جہاں من اللہ قلوب پر علوم کا نزول ہوتا ہے اور جس کے بارے میں یہ مکاشفہ ہے کہ اسی کی چھت سے لے کر ایک نورانی سلسلہ ہے جس کو انقطاع نہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی علویت اور عظمت کو مدلل کرنے کے لئے صرف یہ ظاہر کر دینا ہی بہت کافی ہے کہ یہاں لیل و نہار کی چوبیس ساعتوں میں سے ایک ساعت بھی ایسی نہیں گزرتی جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی ہو۔ اور یہ وہ مقدس درسگاہ ہے جہاں پندرہ بیس ہزار افراد قرآن و حدیث کے علم سے سرفراز ہو کر دنیا بھر میں دین کی خدمت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان مسلمہ حقائق کے ہوتے ہوئے مکاشفوں اور کرامتوں کے ذریعہ استدلال کرنا بلا وجہ کی لن ترانی ہے اسطرح کی باتوں سے دارالعلوم کے خاص مسلک کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ جو دارالعلوم کے حق میں دوستی نہیں دشمنی کے مترادف ہے

تبصرہ کا حاصل یہ ہے کہ جواہرات چمن کے مولف نے کتابچہ مرتب کرنے کیلئے ایک منفرد موضوع کا انتخاب کیا تھا لیکن افسوس کہ انکا علم و فہم اس موضوع کے ساتھ انصاف نہ کر سکا۔ (ح - ص)

قول و فعل کی دورنگی

از ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی

مسلمان معاشرے میں پائی جانیوالی بہت سی خرابیوں میں سے ایک خرابی جو پھیل کر اتنی عام ہو چکی ہے کہ لوگوں کو اسکے خرابی ہونے کا احساس بھی نہیں رہا وہ قول و فعل کا تضاد ہے۔ ایک شخص برائی کے خلاف کھڑا ہو کر تقریر کرے گا اس کی باتیں سن کر جی خوش ہو گا لیکن اگر آپ یہ دیکھنا چاہیں کہ وہ خود کہاں تک اس پر کاربند ہے تو معلوم ہو گا کہ اس کا دفتر نصیحت اور طومار پند و موعظت فقط دوسروں کے لئے ہے خود اس کو اس پر عمل کی ضرورت نہیں۔ اس کی ذمہ داری بس اسی قدر ہے کہ وہ ایک اچھی تقریر کر دے اور لوگ اس کی تقریر کو خاموشی سے سن لیں۔ اسی کو فارسی کے اس مقولے میں یوں ادا کیا گیا ہے کہ خود را فضیحت دیگراں را نصیحت۔ یہ ایک ناپسندیدہ طرز عمل ہے۔ ایک مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں قول و فعل کے اس تضاد کا مظاہرہ کرے۔ ایک مسلمان کے لئے معیار حسن و قبح اللہ کی پسندیدگی و ناپسندیدگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب ہدایت قرآن مجید میں بڑی وضاحت سے دوٹوک الفاظ میں اس طرز عمل کی نسبت اظہار نکیر فرمایا ہے۔ سورۃ صف کی ابتداء ہی میں ہمیں یہ آیات ملتی ہیں۔

یاایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی کراہیت کی بات ہے کہ تم کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

اس آیت میں براہ راست ایمان لانے والوں کو مخاطب کر کے سرزنش کی گئی ہے۔ تاکہ مسلمانوں میں ایک ایسی برائی کا خاتمہ ہو

جو ایمان کے منافی ہے۔ یہاں مقت کا لفظ
استعمال کیا گیا ہے جس میں شدت بغض و
عداوت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس سے
اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک
یہ روش عادت یا طرز عمل کس قدر مبغوض
ہے۔

سورہ شعراء میں جہاں شاعر اور شعر
گوئی کی مذمت کی گئی ہے شعراء میں پائی
جانے والی اس خرابی کا خصوصیت سے
اور اس انداز میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے
طبیعت میں اس خرابی کے خلاف نفرت
پیدا ہو۔

والشعراء یتبعھم الغاوٗن۔ الم
تر انھم فی کل واد یھیمون۔ وانھم
یقولون مالا یفعلون۔

وانھم یقولون مالا یفعلون (اور یہ گروہ کہتے
ہیں جو کرتے نہیں) کے فقرے میں شعراء
کی اس ناپسندیدہ روش کا تذکرہ ہے
جس سے سورہ صف میں ایمان لانے
والوں کو منع کیا گیا ہے۔ سورہ آل عمران
(آیت ۱۸۸) میں اہل کتاب کے حوالہ
سے کہا گیا ہے ویحبون ان یحمدوا بما لم
یفعلوا۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی ایسی
باتوں میں تعریف کی جائے جو انہوں نے
نہیں کی۔ یہ اس سے ایک قدم آگے کی
بات ہے اور یہ مرض بھی مسلمان معاشرہ
میں موجود ہے۔ اسلام جو معاشرہ
تشکیل کرنا چاہتا ہے وہ ایسا ہے کہ
مدح وستائش اور صلہ وانعام سے بے
نیاز ہو کر کام کیا جائے۔ لانرید منکم
جزاء ولا شکورا۔ ایک ایسے معاشرے
میں بھلا یہ کہاں گوارا ہو سکتا ہے کہ
ایک کام کے بغیر اس کا کریڈٹ لینے کی
طمع خام رکھی جائے۔

ان آیات کی روشنی میں مسلمان
معاشرے کے ہر طبقے کو اپنے طرز عمل کا
تنقیدی نظر سے جائزہ لینا چاہئے۔ ==

(نقد و نظر)

(از قلم مدیر)

کھرے کھوٹے

مادر وطن

کتابت و طباعت گوارہ صفحات ۵۲ قیمت سات ۷/ روپے ناشر معراج الحسن ملنے کا پتہ، ماسٹر اکرم حسین انصاری صولت پوری غیور بلڈنگ مرادآباد یوپی

یہ کتابچہ وطن پرستی کے جذبہ سے سرشار ہوکر لکھا گیا ہے اور غالباً اس لئے لکھا ہے کہ لوگ جمہوریت کے حقیقی معنی سے باخبر ہوجائیں نیز اپنے وطن کے ساتھ ان کی ذہنی وابستگی میں اضافہ ہو۔

کتابچہ میں ایک دو جگہ جمہوریت کے نام پر جمہوری قدروں کے قتل عام کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو ہمارے ملک کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس کتابچہ کے مولف وطن پرستی کے معاملہ میں کتنے جذباتی ہیں اس کا اندازہ ذیل کی سطروں سے ہوتا ہے۔

" اے ماں اے عظیم ماں
مرادر مادرِ وطن) میں بھی تیرا
ایک ناتواں اور حقیر بیٹا ہوں
تیرا غم خوار ہوں، تیری ہر
عظمت خاک کا ایک ذرہ
بے حیثیت ہوں تیری خاک
میرے لئے کیمیا ہے تیرا ذرہ
ذرہ میرے لئے لعل و جواہر سے
کم نہیں اور کیوں نہ ہو تو میرے
لئے جنت سے بھی زیادہ ہے

جو کتاب اس قدر جذباتی ہو کر لکھی گئی ہو اس میں جتنا بھی مبالغہ ہو کم ہے اور

بعض جگہ تو مولف نے ایسی باتیں بھی قلم سے خارج کردی ہیں کہ معضین ہم جیسے دقیانوس لوگ کبھی ہضم نہیں کر سکتے۔ مثلاً!

تم چاہے کسی بھی مذہب، ذات
یا فرقے سے وابستہ ہو چاہے
کسی رسم و رواج کسی آدرش
کسی روایت کے قائل ہو لیکن
ان تمام چیزوں سے پہلے تم ہندوستانی
ہو صـ۲۹

وطن پرستی کے سیل رواں میں بہہ کر مولف کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ گذرے لیکن انھیں یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان عرب کا ہو یا جاپان کا یا ہندوستان کا ہو وہ عربی جاپانی یا ہندوستانی ہونے سے پہلے صرف مسلمان ہوتا ہے یہ خوش فہمی کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں بعد میں مسلمان صرف خوشامد اور چاپلوس حضرات کے لئے ہی زادراہ بن سکتی ہے

مولف اگر تنگ نظر واقع نہیں ہوئے ہیں تو انھیں اس بات کا بھی یقین ہونا چاہئے کہ ساری زمین خدا کی زمین ہے لہذا ساری دنیا انسانیت کا وطن قرار پائی ہے۔ چند خاکی حدوں کا پجاری بن کر انسان انسان کامل کہلانے کا حقدار نہیں ہوسکتا۔ اگر مولف یہ ارشاد فرماتے کہ آدمی کسی بھی مذہب اور ذات سے وابستہ ہو لیکن وہ مسلمان یا ہندو یا سکھ اور ہونے سے پہلے انسان ہوتا ہے تو ان کے اس فلسفہ کو معدے میں اتارا جا سکتا تھا لیکن چند فرضی لکیروں کی خاطر مذہب کی قربانی، ہوش وحواس کا قتل عام کئے بغیر کیسے ممکن ہے؟

حیرت ہے کہ مولف ایک عربی مدرسہ کے مدرس ہونے کے باوجود خود قائم کردہ حدبندیوں کے معاملہ میں اتنے فراخ دل واقع ہوئے ہیں؟۔

ایک اور جگہ انہوں نے اس سے بھی زیادہ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ارشاد گرامی ملاحظہ ہو۔

ہمیں ایک ایسا نصاب مرتب
کرنا ہوگا جس سے قومی یکجہتی
کو فروغ حاصل ہو اور آئے
دن کے فسادات اور بدنظمیوں
سے اس دھرتی کا دامن پاک
ہو جائے ہمیں اپنے کسی خاص
ازم کی تعلیم کی بجائے اپنے
بچوں کو مشترک ازم کی تعلیم
دینی چاہئے۔

یہ ارشاد گرامی پیش کرنے کے بعد انہوں نے معترضین اور ہم جیسے گستاخ تبصرہ

نگاروں کی زبان بند کرنے کے لئے ایک
دلیل بھی عنایت فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو

بچوں کو اسلامی ازم اور ہندو
ازم کی بجائے مشترک ازم
کی تعلیم دینی چاہیئے جو چیز ہمارے
ملک اور قوم میں مشترک ہو اس
کا علم روحانیت کا شاندار
آدرش ہے اور اسے ہی...
سب سے بڑا مذہب ماننا
چاہیئے۔ (سوامی ویکانند)

یہ دلیل کسی بھی اس شخص کو مطمئن نہیں
کرسکتی جو اللہ اور رسول پر دل کی گہرائی
سے ایمان لاچکا ہو۔ نام کے مسلمان
بھی خدا اور رسول کی تعلیمات کے مقابلہ
میں کسی سوامی جی کی بات کو کوئی اہمیت
نہیں دے سکتے پھر خدا ہی جانے کہ مولف
کو اس دلیل سے کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے
اس طرح کی دلیلیں کھرے افراد کے حق میں
تو کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں لیکن اُن
مسلمانوں کو متاثر نہیں کرسکتیں جو اسلامی
ازم کے بعد ہر ازم کو "غیر اسلامی" سمجھتے
ہوئے رد کرچکے ہوں خواہ وہ مشترک
ہو یا مشترک در مشترک۔

صفحہ ۴ پر لکھا ہے۔

ارے ماں مجھے تیری خاک
جنت کی نعمتوں سے کہیں
زیادہ عزیز ہے۔

یہ پڑھکر مولف پر بڑا رحم آیا۔ سوچئے
اگر میدان حشر میں بیوم انصاف
مولانا کو ان کی نیکیوں کے بدلے ہندوستان
کی خاک عطا کردی گئی جو ان کے نزدیک
جنت اور اس کی نعمتوں سے زیادہ قابل قدر
ہے تو اُن پر کیا گذرے گی؟ زندگی بھر کی
اچھائیوں کا صلہ ہندوستان کی خاک؟
اور انھیں لب کشائی کا حق اس لئے نہ ہوگا
کہ وہ اس ایک مشت خاک کو جنت اور
اس کی انعامات پر ترجیح خود ہی دیتے رہے
ہیں، اس میں عطا کرنے والے کا کیا قصور؟

صفحہ ۱۲ پر مولانا نے ایک چھلانگ
اور لگائی فرمایا

(اے ماں) تو تو جنت کے لئے
بھی باعث رشک ہے۔

ہندوستان کی جس زمین کو وہ جنت سے
بھی زیادہ اہم قرار دے رہے تھے اس کی
حقیقت خود ان کی نظروں میں کیا ہے
اس کا اندازہ بھی آخری صفحہ پر جاکر
ہو گیا۔

صفحہ ۱۹ پر وہ دعائیہ الفاظ میں
یہ فرماتے ہیں، میں بارگاہ خدا
وندی میں حاضر ہوں اور

دست بدعا ہوں کہ یا الٰہی میرے وطن کو جنت کا نمونہ بنا دے۔

گویا کہ کتابچہ مکمل ہونے تک بھی مولف کا وطن جنت کا نمونہ نہیں تھا۔ حالانکہ چند صفحات پہلے وہ اسے جنت سے بھی بہتر قرار دے رہے تھے۔ اس طرح کی تضاد بیانی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولف جنت کے مفہوم سے کلیتہً ناواقف ہیں انہوں نے یہ لفظ کسی سے سن لیا ہے اور سنتے ہی وہ اسے استعمال کرنے کی فکر میں لگ گئے ہیں۔ خدا کی بنائی ہوئی بے مثال جنت کو اس ہندوستان کی زمین سے تشبیہ، دنیا جہاں افلاس کے مارے ہوئے انسان کو آہیں بھرنے کا بھی حق نہیں ہے اور جہاں انسانوں کا خون پانی سے زیادہ سستا اور کوڑے سے زیادہ بے حیثیت ہے اگر جہالت نہیں تو پھر عظیم الشان قسم کی نادانی ضرور ہے مولف نے کتابچہ کی قیمت جو صرف باون صفحات پر مشتمل ہے۔ سات روپے رکھی ہے۔ اس کی قیمت عام روایات کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ دو روپے ہونی چاہئے تھی۔ سات روپے قیمت رکھ کر مولف نے اپنے ساتھ بڑا گھناؤنا مذاق کیا ہے اس کا اندازہ انھیں آج نہیں تو دو چار سال بعد ضرور ہو جائے گا۔

جوانانِ چمن

ناول سائز کتابت و طباعت مناسب صفحات ۳۲ قیمت ڈیڑھ روپیہ ناشر مکتبہ عمر دیوبند۔

چمن سے مراد دارالعلوم دیوبند اور جوانانِ چمن سے مراد ہیں دارالعلوم دیوبند کے طلبائے عزیز۔

طلبائے عزیز کے احوال و کوائف بیان کرنے کے لئے یہ کتابچہ مرتب کیا گیا ہے تاکہ دارالعلوم دیوبند سے عقیدت رکھنے والے وہ حضرات جو دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں گھر بیٹھے یہ اندازہ کرسکیں کہ دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری میں کیا ہوتا ہے اور طلبا کے صبح و شام کن مشغولیات میں گذرتے ہیں۔

کتابچہ کا موضوع نیا تھا۔ اس لئے دنیا بھر میں جو مدارس ہیں ان کے طلبا کے لئے یہ کتابچہ آئینہ ثابت ہوتا بشرطیکہ مولف نے طلبائے عزیز کی عام غلطیوں کی طرف اشارہ کرکے اصلاح و تطہیر کا کوئی باب اس میں قائم کیا ہوتا۔ موجودہ صورت میں اس کی حیثیت اس اخبار نامہ کی سی ہے جو صرف اطلاعات فراہم کرتا ہے

فہمائش، رہنمائی، اور تشخیص و علاج سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ کتابچہ میں زبان و بیان کی غلطیاں بے شمار ہیں اور یہ غلطیاں فارغین دارالعلوم دیوبند کے بارے میں اچھا تاثر پیش نہیں کرتیں مثلاً۔

(۱) ۔ دارالعلوم اپنی تاسیس کے ہی سے خانقاہ و مدرسہ اور درسگاہ وزاویہ کا سنگم رہا ہے صلا

(۲)۔ ماضی کی یادوں اور عہد کہنہ کی داستانوں کو عزیز رکھنا اور روش کے آئینہ میں فردا کی تصویر دیکھنا طلبائے دارالعلوم کا وہ امتیازی وصف ہے جس کی وجہ سے وہ اب تک افراط و تفریط اور جدید و قدیم کی آلائشوں سے پاک دامن رہے ہیں صلا

(۳)۔ "عہد صحابہ ان کے ذہنی و فکری سفر کے لئے زادِ راہ ہے اور زمانۂ گذشتہ سرمایۂ قلب و اکسیر" صلا۔

(۴)۔ جہاں طالبان باصفا پر اجمائے بیٹھے ہوئے ہیں صلا

(۵) مگر بہت اداروں اور افراد میں یہ شعور ہوتا ہے کہ کتابیں بھی اچھی یا بری ہوتی ہیں۔ صلا

(۶)۔ جن سے تعمیر کے بجائے تخریب اور بصیرت کی بجائے ضلالت پیدا ہوتی ہے۔ صلا

(۷) ۔ پڑھتے وقت فصیح وغیر فصیح سلیس و ثقیل اور مانوس وغیر مانوس الفاظ کی تقسیم کا خاص خیال ہوتا ہے صلا

(۸)۔ اس وقت زبان جادو بن جاتی ہے اور الفاظ سحر صلا

(۹) الفاظ کی شرکت جملوں کی رونق اتار چڑھاؤ بلندی پستی اور شعلگی و نرمی پر توجہ ہوتی ہے صلا

(۱۰) گپ شپ کی محفلوں میں اور قیام و نماست میں اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہیں۔ صلا

چاول کے یہ چند دانے اس لئے پیش کئے گئے ہیں تاکہ پوری دیگ کا اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہو۔ اگر صاحب کتابچہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ نہ ہوتے اور زبان و بیان اور ادب و انشاء سے تعلق رکھنے والی یہ غلطیاں قابل گرفت نہ ہوتیں اور انہیں عامیانہ ذہن کی اختراع سمجھتے ہوئے نظرانداز کیا جاسکتا تھا۔

کتابچہ میں بعض باتیں ایسی بھی لکھ گئی ہیں کہ جو پڑھنے والے کے لئے باعث

حیرت ثابت ہوگی مثلاً صفحہ۲ پر لکھا ہے

"بسا اوقات فجر کی نماز سے پہلے
دارالحدیث کھل جاتا ہے اور پرشوق
طلبا اسی وقت ہال میں پہنچ
جاتے ہیں"

آگے اس بات کی کہیں وضاحت نہیں ہے کہ وہ پُرشوق طلبا نماز فجر پڑھنے کے لیے واپس کبھی آتے ہیں یا نہیں اور اگر ہم حسن ظن سے کام لیتے ہوئے یہ سمجھ لیں کہ نماز فجر کی ادائیگی کے لئے طلبا مسجد میں تشریف لے آتے ہوں گے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نماز فجر سے پہلے طلبہ کا درسگاہ میں داخل ہونا کس مقصد کے تحت تھا؟ صفحہ۳۲ پر "پرانی شراب نئے بوتلوں میں" ... "بڑھ جائے"، کا عنوان قائم کرکے اس کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔

اگر جائے نہ ہو تو پُررونق مجلسیں
پھیکی ہوجائیں خوش گو نوجوان کا
جوش سرد پڑجائے اور بوڑھے
قلم کاروں اور جوان ادیبوں
کے دماغ معطل ہوجائیں۔

غور و فکر کے بعد بھی یہ بھید نہیں کھل پایا کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر بوڑھے قلم کاروں کی رسائی کیسے ہوئی؟ صفحہ۸ پر ایک عنوان قائم کیا گیا ہے "صفہ والے" اس عنوان کے تحت ایک عجیب و غریب عبارت سپرد قلم کی گئی۔

لاغر و نحیف جسم چہرہ کی کمی سے
سفید آنکھوں میں ٹلتے پڑے
ہوئے بدن پر ہلکا سفید کپڑا
پائجامہ ٹخنوں سے اونچا سر پر
عمامہ یا دوپلی ٹوپی نگاہ جھکی ہوئی
گردو پیش سے بے خبر اگر ایسا
کوئی جوان دیوبند کی گلیوں اور
سڑکوں پر نظر آئے تو یقین کر لیجئے
کہ وہ اصحاب صفہ کی مقدس
جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے طلبا میں ہزار خوبیاں ہیں لیکن انھیں اصحاب صفہ سے تشبیہ دینا ناقابل برداشت مبالغہ ہے۔ لیکن چلئے اس مبالغے کو بھی گوارہ کر لیا جاتا اگر مذکورہ عبارت میں اصحاب صفہ کی بنیادی صفتوں کو نظر انداز نہ کیا جاتا مؤلف نے اصحاب اصحاب صفہ کی بنیادی حدود ولتو (جو قابل تحقیق ہے!) بیان کیا ہے لیکن ان کی باطنی اور روحانی صفتوں کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اصحاب صفہ کی بنیادی صفت توکل علی اللہ تھی انھیں دنیا کمانے کی ذرہ برابر فکر نہ تھی۔ اگر فکر تھی تو اس بات کی کہ رسول خدا

تعلیمات سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب
وجائیں ایسے حضرات کی کفالت خود
روردگار کرتا تھا اور ظاہر ہے کہ اسباً یا
یں دوسرے اصحاب رسول ان کے کفیل تھے
چنانچہ اصحاب میں سے ایک حضرت ابوہریرہؓ
بھی تھے جن سے کثیر روایات مروی ہیں
کثیر روایات کی اولین و آخرین وجہ یہی تھی
کہ وہ ہمہ وقت آپ کی صحبت میں رہتے
تھے اور آپ کی باتیں سننے کے سب سے
زیادہ مشتاق تھے۔

مذکورہ بالا عبارتوں میں کھینچ تان کر یہ
ثابت کر دیا کہ دو وقت کھانا نصیب نہ
ہونے کی وجہ سے طلبائے دارالعلوم کی
جسمانی حالت اچھی نہیں ہے وہ ضعیف
نحیف واقع ہوئے ہیں چہرے پر خون کے
آثار نہیں ہیں اور آنکھیں فرطِ ضعف کی
وجہ سے اندر کو دھنسی ہوئی ہیں لیکن مؤلف
نے ایک بار بھی یہ نہیں فرمایا ہے کہ اس کی
اصل وجہ خدا ترسی اور احتساب آخرت کی
فکر ہے طلبا کا قدر بڑھانے کے لئے اصحاب
صفہ کا قد گھٹانا دین اور علم دین کی کوئی
خدمت نہیں تاہم اسے خدمت ہی سمجھ لیا
جاتا اگر طلبا کا چہرہ مؤلف کے بنائے
ہوئے فریم میں فٹ ہو جاتا۔

ایک طویل عرصہ ہوا کہ دوپلی ٹوپی
دارالعلوم دیوبند سے رخصت ہوئی۔ اب جو
ٹوپیاں ان کے سروں پر نظر آتی ہیں وہ
دین و دنیا کسی بھی نقطۂ نظر سے سنجیدگی کی
حامل نہیں ہیں لباس کے معاملے میں بھی
ان میں یکسانیت نظر نہیں آتی۔ اور عمامہ؟
عمامہ کو تو پورے دارالعلوم میں تلاش کر لیجئے
کسی استاد کے سر پر بھی اگر نظر آجائے تو
منہ مانگا انعام ہم دیں گے۔ کاش مؤلف نے
سوچ سمجھ کر مذکورہ بالا اوصاف بیان کئے ہوئے
انہوں نے اپنی فکر سے نقوش کا جو فریم تیار
کیا ہے اس میں طلبائے دارالعلوم دیوبند کے
چہرے فٹ نہیں ہو پاتے تو پھر بتایئے کہ
مذکورہ عبارت سے طلبا کی توقیر ہوئی ہے
یا تضحیک؟

آگے چل کر فرمایا گیا۔

معلوم نہیں اب ہندوستان اور
پاکستان کے باہر ان اصحاب النبی
کا کوئی اثر پایا جاتا ہے یا نہیں
البتہ آپ اگر ہندوستان میں نبی
عربی کے ان متوالوں کو دیکھنا
چاہیں تو دارالعلوم دیوبند اور
مظاہر العلوم سہارنپور کے مقبری
حجروں میں جا کر دیکھئے۔

اس حیرت ناک خوش فہمی کو بھی گوارہ کر لیا
جاتا۔ اگر صورت حال یہی ہوتی جو بیان کی

گئی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں آئے دن کے فساد اور جھگڑے اور ان میں طلبا کا نا مناسب کردار طلبا کے بارے میں خوش فہمی نہیں غلط فہمی پیدا کرتا ہے۔ مولف نے طلبا کو اصحاب صفہ سے تشبیہ دیکر اپنے نفس کو مطمئن کر لیا لیکن کیا وہ کسی روایت سے یہ ثابت کر سکیں گے کہ اصحاب النبی کا کردار بھی طلبائے دارالعلوم کے کردار ہی جیسا تھا۔ وہ بھی وقتاً فوقتاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اسٹرائک چلاتے رہتے تھے؟ اگر وہ ایسا ثابت نہیں کر سکتے اور ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے تو پھر طلبا کو اصحاب النبی سے تشبیہ دینا چہ معنی دارد؟

چند سطور کے بعد طالب علم کی تعریف میں فرمایا گیا ہے۔

اگر آپ اس سے گفتگو کریں گے
تو کمزور آواز میں آداب وسنن
کو ملحوظ رکھتے ہوئے نرم وشیریں
الفاظ میں بولے گا بولتے وقت
معلوم ہوگا پھول جھڑ رہے ہیں
اخلاق کا پتال کردار کا اونچا،
فکر کا گہرا قرآن وسنت کا عمیق
فہم رکھنے والا ہوگا۔

یہ پڑھنے کے بعد ایک سرد آہ نکل گئی اور دل نے بے اختیار کہا کہ کاش ایسا ہی ہوتا تو آج دارالعلوم دیوبند کی مقدس عمارت مذاق اور رسوائی کا نشانہ نہ بنتی۔

صفحہ ۲۵ پر عریاں بمبیر کا عنوان دے کر انہوں نے زور نقریر کو پیغمبرانہ عریانیت کا نام دیا ہے جو عجیب سی بات ہے۔

بعض عبارتیں چیستاں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ غور و فکر کے بعد بھی تبصرہ نگار ان کا مطلب سمجھنے سے قاصر رہا۔ نمونتاً یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

یہاں زندگی کے مجاریوں سے
ہٹ کر خانقاہ میں ضمیر ودانش
کی بے چینی ترغیبات نفس اور
غفلات وغلبے کا محاسبہ ہوتا
ہے اور عبادت میں ریاضت
اوقات گذار کر اس خلوت و
گوشہ نشینی کا مقصد ملاطفہ
ذات حاصل کرتے ہیں۔

صفحہ ۳۷ پر یہ جملہ نظر سے گذرا۔

سال میں عموماً ایک دو مرتبہ اسیر دہلی، علی گڈھ، آگرہ اور فتح پور سیکری وغیرہ تاریخی مقامات پر جاتی ہیں جہاں وہ اسلام کی عظمت رفتہ کے کھنڈرات اور بعض مسلم اداروں کو دیکھ کر عبرت وبصیرت حاصل کرتے ہیں۔

دہلی اور فتح پور سیکری وغیرہ جیسے

(باقی صفحہ ۸ پر)

آخرت سے غفلت کیوں؟

ردِّ بدعت پر ایک مدلّل، اور مبسوط کتاب

قیمت، روپے پچاس پیسے

ملنے کا پتہ مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

سرمہ در نجف تقریباً چالیس سال سے اپنی کامیابی کے شاندار ریکارڈ قائم کئے ہوئے ہے یہ نہ صرف آنکھوں کی بعض شکایتوں میں مفید ہے بلکہ اس کا روزانہ کا استعمال نگاہ کو قائم رکھتا ہے۔

قیمت فی شیشی دس گرام دس روپے پانچ گرام پانچ روپے پچاس پیسے۔ ڈاک خرچ پانچ روپے کوئی سی بھی تین شیشی منگانے پر ڈاک خرچ معاف۔

پتہ

دار الفیض رحمانی دیوبند یوپی
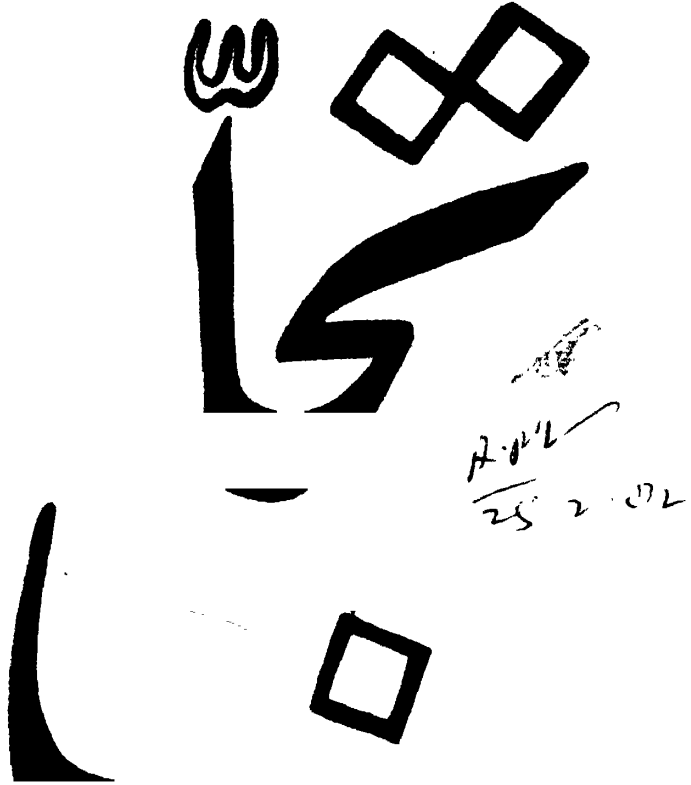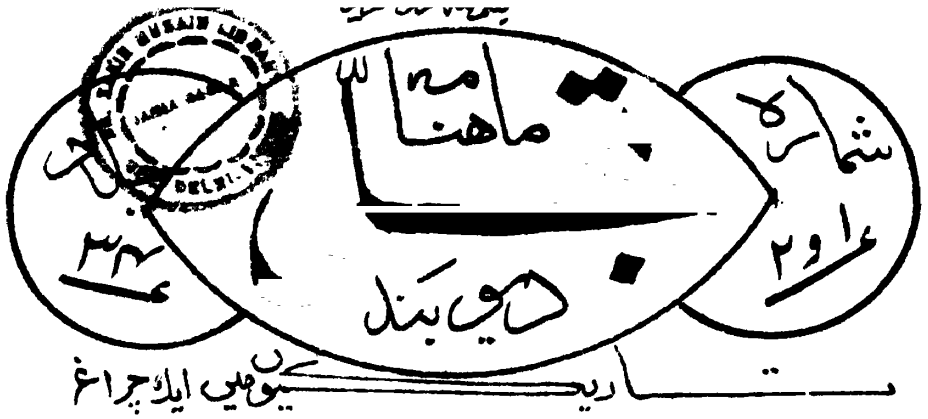
ایڈیٹر: حسن احمد صدیقی

جنوری و فروری ۱۹۸۲ء مطابق ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

فہرست مضامین

اگر اس ◯ دائرہ میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ آپ نے جو زرِ تعاون روانہ کیا تھا اس کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ ازراہِ کرم منی آرڈر سے ۲۰/۰۰ روپے روانہ فرمادیں ورنہ خریداری منقطع کرنے کی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی، پی سے بھیجا جائیگا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ وی پی ۲۲/۰۰ روپے کا ہوگا۔ منی آرڈر روانہ کرکے آپ وی پی کے خرچ سے بچ جائیں گے۔ (منیجر)

مطبع آزاد پریس دیوبند

ایڈیٹر
مولانا حسن احمد صدیقی

منیجر
ابوسفیان عثمانی

بدلِ اشتراک
سالانہ قیمت
بیس روپے ۲۰
ششماہی
بارہ روپے ۱۲
فی شمارہ ۲/۰۰
محسنین حسب توفیق۔

ترسیل زر کا پتہ
دفتر تجلی دیوبند (یوپی)

احوالِ واقعی

قارئین تجلی کو نیا سال مبارک ہو۔ خدا کرے یہ سال دنیا کے سارے مسلمانوں کیلئے اور ہمارے مذہب اسلام کے لئے ترقی اور فلاح و بہبود کا ضامن ثابت ہو۔

آپ کا محبوب رسالہ تجلی اس سال ایک نیا تحفہ لے کر حاضر ہو رہا ہے اور وہ ہے حضرت مولانا عامر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کا ایک بیش بہا ذخیرہ — امت مسلمہ جن اختلافات کا شکار رہی ہے آپ اس کا بھرپور جائزہ ابطالِ باطل اور احقاقِ حق کی صورت میں کتاب الاختلاف میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ کتاب ایک اندازہ کے مطابق ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہوگی۔ اس کی پہلی قسط اسی شمارہ میں پیش کی جارہی ہے۔ یہ کتاب قسطوار آپ تجلی میں ملاحظہ فرماتے رہیں گے۔

تجلی کو بروقت چھاپنے کے لئے ہم نے سردست یہ پروگرام بنایا ہے کہ ایک شمارہ ۶۴ صفحات پر چھاپا جائے اور ایک شمارہ صرف ۲۰ صفحات پر۔ ظاہر ہے کہ بیس صفحات پر مشتمل تجلی کی قیمت صرف ایک روپیہ ہوگی۔ اس پروگرام پر عمل کرنے میں مستقل خریداروں کو معمولی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ صورت اُس صورت سے بہرحال بہتر رہے گی کہ قارئین جس سے چند سالوں تک دوچار رہے ہیں۔ کئی کئی ماہ پر مشتمل رسالے نکالنے سے بدرجہا مناسب ہے یہ طریقہ کہ تجلی ہر ماہ چھپتا رہے خواہ صفحات محدود کردیئے جائیں۔ آخر سال میں خاص نمبر نکال کر ہم قارئین کے نقصانات کی تلافی کردیا کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے قارئین تعاون اور خیرخواہی کے پیشِ نظر ہمارے اس پروگرام کو بجان و دل قبول فرمائیں گے۔ اور تجلی سے رشتہ منقطع نہیں کریں گے۔ تمام قارئین سے گذارش ہے کہ ص۲۴ کو غور سے پڑھیں اور پھر اپنی رائے سے نوازیں۔

ابوسفیان عثمانی
ابن مولانا عامر عثمانی رح

از قلم
مولانا حسن احمد صدیقی
(فاضل دیوبند)

آغازِ سخن

دارالعلوم دیوبند میں اقتدار کی خاطر لڑی جانیوالی جنگ ہنوز پورے شباب پر ہے۔ صاحبِ اقتدار گروہ اپنے اقتدار کے تحفظ میں پوری طرح کوشاں ہے اور بدِ مقابل گروہ کی آخری کوشش یہ ہے کہ کسی بھی طرح انتظامیہ کو چاروں خانے چت کر کے وہ خود دارالعلوم دیوبند کے درو بام پر قابض ہو جائے۔ اپنے اقتدار کی حفاظت نہ خلافِ عقل ہے اور نہ خلافِ شرع، بلکہ بعض صورتوں میں اپنے اقتدار کی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے اور اس سے انحراف منجملہ معصیت قرار پاتا ہے۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو بہت پہلے از راہِ پیش گوئی یہ اطلاع دیدی تھی کہ ایک گروہ تمہارے جسم سے وہ قمیص اتارنا چاہے گا جو تمہیں خدا نے پہنائی ہو گی۔ تم وہ قمیص اتارنیکی کوشش نہ کرنا خواہ اس کشمکش میں تمہاری جان چلی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ باغیوں نے جب حضرت عثمان غنیؓ کے جسم سے خلافت کی قمیص اتارنے کی کوشش کی تو آپ نے اپنے جسم سے اس قمیص کو اترنے نہیں دیا۔ اور اسی مدافعت میں آپ شہید کر دیے گئے۔

آج دارالعلوم دیوبند میں جو کچھ ہو رہا ہے اسکی پیشگوئی تقریباً تیس سال پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے فرمادی تھی۔ انھوں نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے فرمایا تھا کہ عنقریب کچھ اصحابِ غرض اور دولت و اقتدار کے پجاری دارالعلوم دیوبند کو ہڑپ کرنے کی اور تم سے خلعتِ اہتمام چھیننے کی کوشش کریں گے لیکن تم ہمت نہ ہارنا اور نہ ہی دارالعلوم دیوبند کی باگ ڈور ان اصحابِ غرض کے حوالے کرنا ——— اس اجمال کے بعد ہمارا شرح صدر یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں لڑی جانیوالی لڑائی اگرچہ اقتدار کی لڑائی ہے لیکن اس میں حق حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی طرف ہے۔ دوسرا گروہ اسی طرح کے باغیوں کا گروہ ہے جس طرح کے گروہ نے ذی النورینؓ سے اقتدار چھیننے کے لئے انھیں مظلومیت کے آخری مقام تک پہنچا دیا تھا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب پر ایک سطحی قسم کا الزام یہ ہے کہ وہ خود بھی بد دیانت ہیں اور ان کے دورِ اہتمام میں بد دیانتی کو فروغ حاصل ہوتا رہا ہے یہ الزام باغیانِ دار العلوم کی طرف سے اچھالا گیا ہے۔ لیکن اسے بدنصیبی ہی کہیے کہ دار العلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے بعض کج فکرے قسم کے ممبران نے اس کی بھرپور تائید کی ہے بلکہ الزام تراشی کا جو نغمہ مولانا اسعد مدنی کے حلق سے برآمد ہوا تھا ممبرانِ شوریٰ نے اسے اپنی سُر تال کی مدد سے دلچسپ اور مؤثر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اسے مہتمم صاحب کی خوش بختی سمجھیے کہ یہ الزام کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے آیا ہے جن کی "بد دیانتی" نصف النہار کے سورج کی طرح عیاں بیاں ہو کر ہماری قوم کے سامنے ہے۔ عوام کتنے ہی سادہ دماغ سہی لیکن وہ آج تک ان سات لاکھ روپوں کو فراموش نہیں کر سکے ہیں جو مولانا اسعد مدنی کو انگریزی پریس کے نام پر دیئے گئے اور جو بے حساب ہضم کر لیے گئے۔

مہتمم صاحب پر لگائے گئے الزامات کی تائید شوریٰ کے ان ممبران نے بھی فرمائی ہے۔ کہ جن کا تقویٰ "عاجز" "خاکپا" اور "ننگِ خلائق" جیسے بے روح الفاظ سے کبھی ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ لیکن حقیقت سے قطعِ نظر — ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ حضرت مہتمم صاحب ایک بے ایمان آدمی ہیں اور بے ایمانی ہی کو پسند فرماتے ہیں یہ سمجھ لینے کے باوجود جب دار العلوم دیوبند کی طرف غور و فکر کی نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ہر طرف ترقی ہی ترقی اور بڑھاوا ہی بڑھاوا نظر آتا ہے۔ دار العلوم دیوبند کا کونسا ایسا شعبہ ہے جس کو حضرت مہتمم صاحب کے دورِ اہتمام میں عروج نصیب نہیں ہوا۔ اور جب حضرت مہتمم صاحب کے حلقۂ اثر پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس میں دن دونی رات چوگنی وسعت پیدا ہوئی ہے۔ ان کے تقویٰ اور پاکبازی کی دھوم آج ہندوستان سے باہر ہر ملک میں ہے۔ اور یہ خود دیوبند میں ان کو بزرگ ماننے والوں کی تعداد توقع اور روایت سے کہیں زیادہ،

دوسری طرف مولانا حسین احمد مدنی رح کے صاحبزادے مولانا اسعد مدنی ہیں۔ انھوں نے اپنی ذاتی کوششوں اور خاص قسم کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر جمعیۃ العلماء ہند پر اپنا تسلط جمایا۔ ہم مولانا اسعد مدنی کو حقیقت اور رائے عامہ سے قطع نظر ہو کر ایک دیانتدار آدمی فرض کئے لیتے ہیں لیکن یہ فرض کر لینے کے بعد جب ہم جمعیۃ العلماء پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ہر طرف تنزل ہی تنزل اور پستی ہی پستی نظر آتی ہے۔ جمعیۃ علماء کا ایسا کونسا شعبہ ہے کہ مولانا اسعد کے صدر بنتے ہی جسمیں گراوٹ پیدا نہ ہو گئی ہو۔ صرف الجمعیۃ کے معیار ہی کو دیکھ لیجئے پہلے کیا تھا اور آج کیا ہے — نظریاتی اختلافات کے باوجود باشعور لوگوں کے منبر پر الجمعیۃ کا رہنا ضروری تھا۔ اور آج اس اخبار کو عام طور پر چوتھے درجہ کے لوگ خریدتے ہیں۔ رہی ان کے وقار کی بات تو دیوبند میں اگر وہ ہر ماہ اپنے "مداحوں" کو مزدوری تقسیم نہ کریں تو

تو کوئی بھی شخص ان کی ثنا خوانی کے لئے تیار نہ ہو ثنا خوانی کرنیوالے بھی وقتاً فوقتاً اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ مولوی اسعد ایک سیاسی رہنما ہیں بزرگی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ——

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا اسعد مدنی کی مفروضہ ایماندا ریاں جب جمعیۃ العلماء ہی کو راس نہ آسکیں اور خود ان کے قدِ عظمت میں کوئی اضافہ نہ کرسکیں تو دارالعلوم دیوبند کو تنزل اور تباہی کے سوا کیا دے سکیں گی ؟

قضیۂ دارالعلوم کا موضوع کوئی خوشگوار موضوع نہیں ہے بلکہ ہمارے لئے ایک فاضلِ دارالعلوم کے لئے تو یہ موضوع ہر اعتبار سے انتہائی رنج دہ اور روح فرسا موضوع ہے۔ لیکن کیا کریں جب کھلے عام باطل کی پشت پناہی کی جارہی ہے اور اخبارات ورسائل اور خیر سے مولانا منظور نعمانی جیسے " عاجز " قسم لوگ بھی حقائق کی تصویر کو مسخ کر کے پیش کر رہے ہیں تو واقعات کی صحیح تصویر پیش کرنا ہمارا اخلاقی اور دینی فریضہ بن جاتا ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین دارالعلوم دیوبند کو اس کی خدمات کی وجہ سے عزیز رکھتے ہوں گے ۔ اور یہ چاہتے ہوں گے کہ دارالعلوم دیوبند پر کوئی آنچ نہ آئے ۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہمارے قارئین یہ چاہتے ہوں گے کہ تجلی دارالعلوم دیوبند کی لڑائی کے سلسلے میں سیر حاصل گفتگو کرے اس یقین کے پیش نظر اس بار ہم نے اس تلخ موضوع پر قلم اٹھا لیا ہے۔

آج سے قریباً ۱۶ سال پہلے بھی مولانا اسعد مدنی اور انکے متوالوں نے دارالعلوم دیوبند پر ایک یلغار کی تھی اور اسوقت انکی خواہش صرف اتنی تھی کہ انہیں مجلس شوریٰ کا ممبر بنایا جائے۔ جبکہ ممبرانِ شوریٰ ان کے سخت مخالف تھے۔ اور انہیں رکنیت کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اس وقت بھی تجلی نے مولانا اسعد مدنی کی بھرپور مذمت کی تھی اور دارالعلوم دیوبند کی خاطر ہر لڑائی لڑنے کا تہیہ کیا تھا۔ ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو بانیِ تجلی مولانا عامر عثمانی کے قلم سے نکلی ہوئی یہ عبارت :-

" آفت دراصل سب سے بڑی یہ ہے کہ گروہ بندی کے عادی افراد طلباء میں ہو ابھرے ہیں پھر یہ متعفن ہوا موقع بے موقع اپنے خروج کی راہیں بناتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کا انجام بخیر کرے۔ ہمیں سب سے بڑی فکر یہی ہے کہ شخصی عقیدتوں اور نفرتوں کے چکر میں کہیں اس درسگاہ ہی کو نہ لے ڈوبیں۔ یہ درسگاہ ہندوستان کے مسلمانوں کے جسم ناتواں کی ریڑھ کی ہڈی ہے یہ برباد ہوئی تو سمجھئے سب برباد ہوا۔ ہم سیاسی لڑائیوں سے سخت متنفر ہیں لیکن دارالعلوم کو بربادی سے بچانے اور اس کی امتیازی حیثیت کو محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں لڑنا پڑے گا۔ لڑنے کے ہتھیار اتنک

زبان و قلم تک محدود تھے لیکن اب
فریقِ ثانی لاٹھیاں، چھرے، اور تیر
بھی نکال لایا ہے۔ اس گھٹیا جارحیت
کا مقابلہ ہم جوابی لاٹھیوں سے نہیں
کریں گے مگر ہمیں اپنے جسموں کو اتنا مضبوط
کرنا ہوگا کہ لاٹھیاں اس سے ٹکرا کر ٹوٹ
جائیں"

(تجلی نومبر ۱۹۶۶ء ص ۱۴)

اس عبارت سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ
"تجلی" نے ہر نازک موقع پر دارالعلوم دیوبند کی بھولی
کی وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لاٹھی اور چھرے
کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی یہ فریق اس
طرح کے اسلحے اور ہتھکنڈے استعمال کر چکا ہے
بہرکیف حاصل یہ ہے کہ یہ موضوع تلخ سہی ناخوشگوار
سہی لیکن اس سے دارالعلوم دیوبند کی عظمت و رفعت
کی خاطر ہم سب کو گوارا کرنا ہوگا تاکہ صحیح صورتِ
حال سے خبردار رہیں۔

بعض لوگ از راہِ ناواقفیت یہ سمجھتے ہیں کہ
یہ جھگڑا سال دو سال سے ہو رہا ہے اور اس کی
اصل بنیاد مولانا محمد طیب کا اہتمام اور ان کے
صاحبزادے کی نیابت ہے۔ حالانکہ جھگڑا سو سال
پرانا ہے اور اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ ہم اجمال
و اختصار کو سامنے رکھتے ہوئے چند حقائق اپنے
قارئین کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں تاکہ موجودہ
جھگڑے کی صحیح نوعیت اور اس کے پسِ منظر سے
واقف ہو جانا آسان ہو جائے۔

دارالعلوم دیوبند کا افتتاح ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ
مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو جمعرات کے
دن چھتہ کی مسجد میں ایک انار کے درخت
کے نیچے عمل میں آیا۔ انار کا یہ درخت
ہنوز باقی ہے ایک استاذ اور ایک
شاگرد سے دارالعلوم دیوبند کی بسم اللہ
ہوئی۔ (بحوالہ تجلی کا دارالعلوم نمبر)

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے استاذ ملا محمود
صاحب میرٹھ کے ایک مکتب میں درس و تدریس
پر مامور تھے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ نے ملا محمود کو
۱۵ روپے ماہوار تنخواہ پر دارالعلوم دیوبند کے لئے
روانہ کیا اور ایک دستی خط حضرت حاجی عابد حسین کے
نام لکھا جس میں یہ جملہ تحریر تھا۔

ملا محمود صاحب کے دیوبند پہنچتے ہی مدرسہ
کا افتتاح کرالیں اور میرے انتظار میں
وقت ضائع نہ کریں

(مولانا) محمد قاسم

ظاہر ہے کہ یہ جملہ لکھنے کی اس لئے ضرورت پیش
آئی کہ مولانا قاسم اس مدرسہ کے روحِ رواں تھے ان
ہی کے آسمانِ تخیل پر دارالعلوم دیوبند قائم کرنے کا
خیال ایک ستارہ کی طرح طلوع ہوا تھا وہ جانتے تھے
کہ ان کے رفقاء ان کا انتظار کریں گے اسی لئے انہوں
نے اصرار کے ساتھ یہ تحریر فرمایا کہ مدرسہ کا افتتاح

کرا دیا جائے اور جس کا انتظار ضروری ہے اس کا بھی انتظار کر کے وقت کو ضائع نہ کیا جائے۔ حضرت حاجی عابد حسینؒ نے اس ارشاد کی تعمیل فرمائی اور مدرسہ کا افتتاح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عدم موجودگی میں ہوگیا۔ صرف اتنی سی بات کو دلیل بنا کر بعض مدعیین کا دعویٰ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت حاجی عابد حسین تھے۔

مشکل یہ ہے کہ ابتدائی رُوداوں میں کسی بھی شخصیت کے بارے میں یہ وضاحت نہیں ملتی کہ وہ دارالعلوم دیوبند کا بانی ہے۔ واقعات سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حاجی عابد حسینؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہر دو حضرات مدرسہ کی بقاء کے لئے زیادہ کوشاں نظر آتے تھے پندرہ سال کے بعد جب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات واقع ہوئی تو اس وقت روداد میں تعزیت کے جو الفاظ تحریر فرمائے گئے ان سے بھی اس تصور کو تقویت ملتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں۔ اس روداد کے الفاظ یہ ہیں :-

"مختصراً یہ ہے کہ (مولانا محمد قاسم کی وفات) ایک سخت حادثہ ہے اور خصوصاً اس مدرسہ کو کیونکہ اس چشمۂ فیض کے منبع اور اس آبِ حیات کے مصور اور آفتاب عالمتاب کے مظہر آپ ہی تھے"

(بحوالہ روداد سالانہ ۱۲۹۷ھ)

بات صاف ہوگئی اور اس تحریر سے یہ ثابت ہوگیا کہ دارالعلوم دیوبند کے اصل بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں لیکن بدنصیبی ہی کہیئے کہ بعض نادان لوگوں نے خاندان پرستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت حاجی عابد حسینؒ کو دارالعلوم دیوبند کا بانی قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی اور اسطرح دارالعلوم دیوبند کا بانی کون؟ والا اختلاف پیدا ہوا جو آج تک باقی ہے —— اس اختلاف کو ہوا دینے والے یہ نہیں سوچتے کہ اگر بانی حضرت حاجی عابد حسینؒ کو مان لیا جائے تو مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے اکابر کی صدق بیانی پر حرف آتا ہے۔ کتابیں گواہ ہیں کہ ان حضرات نے بارہا اپنے قلم سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو بانیٔ دارالعلوم دیوبند تحریر فرمایا۔ بانی حاجی عابد حسینؒ ہی کو قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے اکابر زندگی بھر کذب بیانی میں مبتلا رہے۔ اور حاجی عابد حسین رح کی روح پر ظلم ڈھاتے رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ تھے ان کے بعد صدارت کے عہدے پر شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ فائز ہوئے اور یہیں سے دارالعلوم دیوبند کے اندر دو طرح کی ذہنیتیں فروغ پانے لگیں۔ ایک جماعت وہ تھی جو تصوف اور سلوک کی راہوں سے تعمیر کی فکر میں تھی اور دوسری جماعت وہ تھی جس نے ملک کی سیاست میں حصہ لینے کو ضروری سمجھا۔

یہ دوسرا انداز کا اختلاف تھا جو دارالعلوم دیوبند کے اندر رونما ہوا اور پھر دن بدن فروغ بھی پاتا رہا اور اپنی صورتیں بھی بدلتا رہا۔

۱۳۲۸ھ میں ثمرۃ التربیت نامی ایک مجلس کا قیام عمل میں آیا۔ یہ مجلس خالصتہً دارالعلوم دیوبند اور اس کی انتظامیہ کی اعانت اور فضلاء دارالعلوم کی تربیت کے لئے قائم ہوئی ــ لیکن جب سیاسی عناصر نے اپنے قدم جمالئے تو یہی مجلس جمعیۃ الانصار میں ڈھل گئی لیکن جمعیۃ الانصار میں خیر غالب رہا اس لئے کہ اس میں تصوف کی ٹھنڈک بھی تھی اور سیاست کی گرمی بھی۔

اس میں ایک طرف وہ لوگ تھے جو علوم و معرفت کے لحاظ سے بحرِ ذخار تھے مثلاً شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رح ....

دوسری طرف وہ لوگ تھے جنہیں سیاسی سوجھ بوجھ انتہائے کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور ان کے وجدان سیاست کی طرف ایک خاص قسم کی رغبت بھی تھی۔ دوسری جماعت میں مولانا حسین احمد مدنی رح اور مولانا عبید اللہ سندھی رح جیسے قابلِ فخر علما تھے۔

چند ہی سال بعد باہمی اتحاد کو نظر لگ گئی اور جمعیۃ الانصار کوئی قابلِ رشک کارنامہ انجام دینے سے پہلے ٹوٹ پھوٹ اور جوڑ توڑ کا شکار ہو گئی۔

اس طرح دارالعلوم دیوبند میں تیسرا اختلاف رونما ہوا جو آج تک باقی ہے۔ اور اس کے ختم ہونے کی توقع نہیں جاسکتی اس لئے کہ دونوں "طرفوں" کی ہمنوائی اور نمائندگی کرنے والے خاص تعداد میں موجود ہیں۔

۱۹۴۶ء میں سیاست نے جب اور ہاتھ پاؤں نکالے اور اس ملک کی آزادی کا مسئلہ کھڑا ہوا تو مسلم لیگ اور کانگریس کے جھگڑے کھڑے ہو گئے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح، مولانا شبیر احمد عثمانی رح مسلم لیگ کے ہمنوا تھے اور مولانا حسین احمد مدنی رح کانگریس کے مؤید تھے اور مسلم لیگ کے سخت مخالف ان تینوں حضرات کا حلقۂ اثر چونکہ کافی وسیع تھا لہٰذا لیگی اور کانگریسی اختلاف زور پکڑ گیا اور اختلاف کی یہ آگ گھر گھر میں لگ گئی ـــــــــ یہ چوتھا اختلاف تھا جو دارالعلوم دیوبند میں پیدا ہوا اور آج تک برقرار ہے۔

اسی زمانہ میں اپنے نظریات کو پھیلانے کے سلسلے میں دو طرح کے ذہن ابھرے۔ ایک ذہنیت کا رجحان تشدد کی طرف مائل تھا۔ اسی ذہنیت کی موجودگی کی وجہ سے دیوبندی حضرات کو مناظروں اور مناقشوں کے میدان میں کودتے پھاندتے دیکھا گیا۔ دوسرا ذہن جو دیوبندی مسلک کی اشاعت وعظ و نصیحت کے ذریعہ کرنے کو مفید تصور کرتا تھا اور اس کے نزدیک حق کی ترویج و اشاعت پیغمبرانہ انداز میں ممکن تھی۔ چنانچہ اس ذہنیت نے کبھی اپنے مخالفین کے بارے میں توہین آمیز رویہ بھی اختیار نہیں کیا۔

یہ پانچواں اختلاف تھا جو دارالعلوم دیوبند میں پیدا ہوا اور آج تک پوری شدت کے ساتھ باقی

ہے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے
بعد جو حضرات باقی رہے تھے ان میں مفتی
عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا حفظ الرحمٰنؒ، حکیم الاسلام
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم
دیوبند، مولانا منظور نعمانی وغیرہ افراد تھے۔
یہ لوگ ہم عصری اختلافات کا شکار ہوگئے اور یہ
چھوٹا اختلاف تھا جو دارالعلوم دیوبند میں پیدا
ہوا اور پھر بہت تیزی کے ساتھ پلا بڑھا اور آج
تک یہ اختلاف ترقی پذیر ہے۔ ان چھوٹے اختلافات
کے درمیان ہی میں علاقائی اور نسلی اختلافات
نے بھی سر ابھارا تھا اور یہ دونوں طرح کے اختلاف
بھی اور دوسرے اختلافات کی طرح تادم تحریر
دارالعلوم دیوبند کے اندر پورے شباب پر ہیں
چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں جس طرح دیوبندی
اور غیر دیوبندی کا مسئلہ بھی ایک اہمیت رکھتا ہے،
اسی طرح شیخ، پٹھان اور انصاری کا مسئلہ
بھی اہم بنا ہوا ہے اور باشعور لوگوں کی ذہنیتیں بھی
علاقائی اور نسلی تعصب کے ارد گرد گھومتی پھرتی
نظر آتی ہیں۔

ان لوگوں کے اختلافات ہی کا نتیجہ تھا کہ دارالعلوم
دیوبند کے بنیادی دستور میں کئی بار تبدیلی ہوئی اور
کئی بار دارالعلوم دیوبند کو عظیم المرتبت شخصیتوں
سے محروم ہوجانا پڑا۔

اس تفصیل سے قارئین کو یہ اندازہ ہوگیا
ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند میں ذاتی، فروعی، خاندانی
شخصی، ہم عصری، نظریاتی، علاقائی اور نسلی
وغیرہ اختلاف موجود رہا اور یہ اختلاف کسی نہ کسی حد
میں دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ سے ٹکراتا رہا۔

دارالعلوم دیوبند کو سب سے زیادہ نقصان
نظریاتی اور اقتداری اختلافات سے اٹھانا پڑا
اس لئے کہ یہ اختلاف ایسے حضرات کے درمیان
ہوتا تھا جو اپنے اثر و رسوخ کے اعتبار سے تناور
درخت کی مانند تھے اور جن کے برگ و بار دور دور
تک پھیلے ہوئے تھے۔ اقتدار کی سب سے بڑی لڑائی
عثمانی خاندان اور قاسمی خاندان کے درمیان شروع
ہوئی۔ اہتمام کے امیدواروں میں شیخ التفسیر حضرت
مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی عظیم المرتبت شخصیت تھی۔
اور موصوف کو مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی پشت پناہی
حاصل تھی جو سونے پر سہاگہ تھی۔ دوسری طرف مولانا
حبیب الرحمٰن عثمانیؒ تھے جو عثمانی ہوتے ہوئے قاسمی
خاندان کے ہمنوا تھے اور اس بات کے خواہشمند تھے
کہ حافظ محمد احمد کے صاحبزادے مولوی طیب
صاحب نائب اور پھر اس کے بعد مہتمم مقرر
کئے جائیں۔

یہ ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے، دارالعلوم کی تاریخ
گواہ ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے اپنے
خاندان کی پرواہ نہیں کی اور جو مسند اہتمام کا
صحیح مستحق تھا اسے اس مسند پر لاکر بٹھا دیا۔

اختلاف کرنے والے حضرات جن میں مولانا انور شاہ
کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ

عثمانیؒ وغیرہ شامل تھے دارالعلوم سے مستعفی ہوکر ڈھابیل چلے گئے۔ مولانا انورشاہ کشمیری کے چلے جانے کے بعد دارالعلوم دیوبند کا مسندِ حدیث سونا پڑگیا۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے اور مسندِ دارالعلوم کی رونق کو پھر واپس بلانے کے لئے کسی عظیم الشان شخصیت کی ضرورت تھی، اس وقت پوری جماعت میں مولانا حسین احمد مدنی رح سب سے زیادہ ممتاز تھے ان ہی کو دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث اور صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ مولانا انورشاہ کشمیریؒ کے علم اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی خطابت اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے تفقہ کا بڑا گہرا اثر تھا۔ ان حضرات کے ہجرت کرنے کے بعد اس اثر کو ختم کرنا اور عوام کے قلوب اذہان سے ان کے نقوش کو کھرچ کر پھینک دینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ تاہم مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے اپنی سیاسی بصیرت کو کام لاتے ہوئے مولانا مدنی رح کی بزرگی اور علمیت کا خوب پروپیگنڈہ کیا۔ اور بالآخر ان کی عظمت اور شان و شوکت کے جھنڈے گڑوا ہی دیئے۔

مولانا حسین احمد مدنی رح ذاتی طور پر بہت خوبیوں کے مالک تھے لیکن انھیں عوام سے اور عوام کو ان سے روشناس کرنے والے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ہی تھے لہٰذا مولانا مدنی رحؒ نے عمر بھر حقِ وفا ادا کیا ..... اور ان کی پالیسیوں سے سرِ مو انحراف کرنا گوارہ نہ کیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رح مسندِ اہتمام پر خاندانِ قاسمی ہی کو جلوہ گر دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی خواہش مولانا مدنی کی بھی رہی انھوں نے مخالفین طیب سے صاف صاف فرمایا کہ میں خاندان قاسمی ہی کا مرید ہوں اور اہتمام دارالعلوم کے معاملہ میں اسی خاندان کو ترجیح دیتا رہوں گا۔

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رح سے بعض دانشمند حضرات نے اس اندیشہ کا اظہار کیا تھا کہ آپ جس شخص کی بزرگی اور عظمت و ترفع کا ڈھونڈ را پیٹ رہے ہیں محض اس لئے کہ علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ کے اثرات زائل ہوجائیں خود وہ شخص یا پھر اس کے معتقدین آگے چل کر خاندانِ قاسمی کے لئے مسئلہ بن سکتے ہیں۔ یہ اندیشہ اپنے اندر وزن رکھتا تھا۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رح نے مولانا مدنیؒ کے بارے میں کی جانیوالی پروپیگنڈہ مہم کو ہلکا کردیا۔ لیکن ابھی وہ خاندان قاسمی کے لئے کوئی ٹھوس دستور مرتب نہیں کر پائے تھے کہ انہیں اس دنیا سے رخصت ہوجانا پڑا۔ ان کی وفات کے بعد جمعیۃ العلماء نے منصوبہ کے مطابق حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو پریشان کرنا شروع کردیا موصوف میں چونکہ رسہ کشی اور طناطنی کو برداشت کرنے کا مادہ اور جوابی کارروائی کرنے کی صلاحیت نہیں تھی لہٰذا وہ مستعفی ہوکر پاکستان روانہ ہوگئے اور جمعیۃ العلماء کے لئے میدان صاف ہوگیا لیکن جمعیۃ العلماء کے صدرِ محترم کو یہ بات بالکل گوارا نہ ہوسکی کہ جس کے اقتدار کو باقی رکھنے کے لئے وہ

دیوبند میں بلائے گئے تھے اور جس کے طفیل میں انہیں مقبولیت کا اعلیٰ ترین مقام نصیب ہوا تھا۔ اس کے بغیر وہ دارالعلوم میں رہ لیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پوری جماعت سے اس معاملہ میں اختلاف کیا اور جد و جہد کر کے مولانا محمد طیب صاحب کو پھر ہندوستان ہی بلالیا۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کیا کہ مولانا محمد طیب صاحب کے بغیر ہم سب یتیم ہو گئے تھے اور ہماری حیثیت کاغذ کے اس پھول کی سی ہو گئی تھی جو خوشبو سے محروم ہو۔ جمعیۃ العلماء کے ممبران یہ سمجھ گئے تھے کہ اب قاری محمد طیب صاحب سے نجات حاصل کر لینا آسان نہیں ہے چنانچہ انہوں نے ایک بہت بھیانک سازش کی اس سازش سے مولانا حسین احمد مدنی رح بھی واقف نہ ہو سکے۔ جمعیۃ العلماء کے ممبران نے یہ کیا کہ دارالعلوم دیوبند کے دستورِ اساسی کو بدل ڈالا اور اس دستور میں کل حیثیت ممبرانِ شوریٰ کو دیدی۔ حضرت مہتمم صاحب نے انجام سے بے پرواہ ہو کر دو وجہوں سے اس دستور کو قبول کر لیا ایک تو اس لئے کہ جب تک مولانا مدنی رح حیات ہیں کوئی ان کی مخالفت نہیں کر سکے گا دوسرے اس وجہ سے کہ پوری جماعت میں نظام انصرام کی صلاحیت کسی اور شخص میں موجود بھی نہیں تھی۔ انہیں یقین تھا کہ دارالعلوم دیوبند کا نظام ان کے بغیر بخیر و خوبی نہیں چل سکتا۔ ان کو واپس بُلانا خود اس بات کی دلیل تھا کہ وہی دارالعلوم دیوبند کی روحِ رواں ہیں۔

جس وقت حضرت مہتمم صاحب پاکستان سے واپس بلائے گئے اس وقت ان کی ہر شرط منظور کر لی جاتی۔ اس کے بعد بھی بیس سالوں تک ہر شرط کو مان لینا ممبرانِ شوریٰ کے لئے ضروری تھا لیکن مولانا محمد طیب صاحب نے انجام سے بے پرواہ ہو کر اس "گھٹیا" دستور کو گوارا کر لیا اور برابر گوارا کرتے رہے جو آج اُن کے لئے اور دارالعلوم دیوبند کے وقار کے لئے مستقل ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی رح کی وفات کے بعد بظاہر اقتدار مولانا محمد طیب صاحب کا رہا لیکن جمعیۃ العلماء اندر اندر اپنے ہاتھ پاؤں پھیلاتی رہی۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے ایک فنڈ مقرر کیا گیا جو طلباء اور بعض اساتذہ میں پابندی کے ساتھ تقسیم کیا جاتا رہا اور اس طرح جمعیۃ العلماء کا پروپیگنڈہ کرنیوالے دارالعلوم دیوبند میں اندرونِ خانہ اپنی ڈیوٹی انجام دیتے رہے اور جمعیۃ العلماء کے اثرات بڑھاتے رہے۔

اپنی فوج کی طاقت کا اندازہ کرنے کے لئے مولانا اسعد مدنی نے وقتاً فوقتاً دارالعلوم دیوبند میں زورآزمائی کی اور ۱۹۶۹ء میں تو انہوں نے دارالعلوم دیوبند کو ہڑپ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ لیکن کچھ گوشے ایسے رہ گئے تھے جہاں ان کی نظر نہیں پہنچ سکی اور اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ انھیں شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا عامر عثمانی رح نے فرمایا تھا:-

" شب خون تو یہ بھی تھا لیکن اس میں خامی

یہ بھی کہ فتنہ گری پر تکیہ کر لیا گیا یہ نہیں
دیکھا گیا کہ حریف بھی تحمل کر کے سو بھی گیا
یا نہیں۔ اگلا شب خون شاید اس خامی سے
پاک و صاف ہوگا وہ اتنا اچانک اور بھرپور
ہوگا کہ سونے والے شاید چارپائی سے بھی
نہ اتر سکیں۔ طوفان بند ہو کر رک گیا ہے
مگر اترا نہیں۔ آتش فشاں کے دہانے
پر ٹھیکر فی الحال فٹ ہوگیا ہے لیکن لاوے
کا جوش اندر ہی اندر موجود ہے۔

(تجلی اگست و ستمبر ۱۹۶۵ء)

مولانا عامر عثمانی رح کی یہ پیشگوئی حرف بحرف
درست ثابت ہوئی۔ مولانا اسعد مدنی نے اب حملہ اس
انداز میں کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ
اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کا دفاع نہیں
کر پا رہی ہے حملہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ جب دارالعلوم
دیوبند کا صد سالہ جشن ہوا تو مولانا اسعد مدنی نے ایک بار
پھر تقدیر آزمانے کی کوشش کی۔ انہوں نے پہلے سیدھی
انگلی سے گھی نکالنے کی کوشش کی اور حضرت مہتمم صاحب
کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تن من سے تیار ہو گئے۔
دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے لئے
اپنے حلقہ سے لاکھوں روپیہ جمع کر لیا۔ یہ روپیہ انھوں نے
ایک جوڑا ہے پر کھڑے ہو کر حضرت مہتمم صاحب کے حوالے
کیا تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ مولانا
اسعد مدنی چونکہ سیاسی طور پر بہت چالاک واقع ہوئے
ہیں لہٰذا انھوں نے قوم سے لی ہوئی کل رقم دارالعلوم کے
حوالے نہیں کی بلکہ اس کا خطیر حصہ اپنے پاس روک لیا
اور ایک صاحب کے ذریعہ جو رسیدیں انہیں موصول ہوئی
تھیں وہ بھی انہوں نے واپس نہیں کیں۔ تاکہ آئندہ وہ
بھی انہیں استعمال کیا جا سکے۔ سو سالہ جشن ہونے سے
کچھ دن قبل انہوں نے حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات
کی اور اپنے مطالبات پیش کئے۔ مہتمم صاحب کو اس
وقت کسی کے مطالبات پر غور و فکر کرنے کا موقع کہاں تھا۔
لہٰذا حضرت موصوف نے ان مطالبات پر کوئی توجہ نہیں
دی۔ اور مولانا اسعد مدنی نے اسی وقت یہ ٹھان لی
کہ اب گھی نکالنے کیلئے انگلی کو ٹیڑھا کرنا پڑے گا۔
انہوں نے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ابنائے قدیم کی تنظیم
قائم کرنے کا ڈھونگ رچایا ۔ اور کچھ فضلاء کو جمع کر کے
یہ اعلان فرما دیا گیا کہ فضلاء کی ایک تنظیم قائم کی گئی ہے
اور اس کا صدر میں ہوں۔

ادھر حضرت مہتمم صاحب سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے
اجلاس صد سالہ کے موقع پر ممبران شوریٰ کو کوئی اہمیت
نہیں دی ۔ جبکہ بعض ممبران شوریٰ بیتاب تھے کہ
اجلاس کے موقع پر ان کی نقاب کشائی کی جائے۔ عام حالات
میں تو کسی کو خبر ہی نہیں تھی کہ دارالعلوم دیوبند کی کوئی
شوریٰ بھی ہے۔ ساری دنیا حضرت مہتمم صاحب
ہی کو کرتا دھرتا تصور کرتی تھی۔ اور عملاً کرتا دھرتا
تھے بھی وہی۔ لیکن اجلاس کے موقع پر بعض ممبران نے
خاص طور پر نمایاں ہونے کی کوشش کی بالخصوص
مولانا منظور نعمانی نے کچھ اس طرح کی تجاویز رکھیں
کہ ان پر عمل کر لیا جاتا تو ارکان شوریٰ فرداً فرداً

نمایاں ہوکر قوم کے سامنے آجاتے اور لوگوں کو یہ معلوم ہوجاتا کہ دارالعلوم دیوبند کے دولہا تو مہتمم صاحب ہی ہیں لیکن یہ تنہا نہیں بلکہ ان کے ساتھ پوری برات بھی ہے جو پچاس سال سے پردہ کے پیچھے گھونگھٹ کئے بیٹھی ہے۔ وہ پردہ نشینی کی وجہ سے دارالعلوم کے کسی کام آئے یا نہ آئے لیکن ہے وہ حکام اعلیٰ۔

حضرت مہتمم صاحب کی یہ غلطی مولانا اسعدمدنی کیلئے تریاق تقدیر ثابت ہوئی اور مضبوط قسم کا نفس رکھنے والے ممبران نے لنگوٹ کس لیا۔ اور اخبارات رسائل میں گھونسے بازی شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے زبان مولوی منظور نعمانی نے کھولی ۔ انہوں نے اجلاس صد سالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپریل ۸۰ء کے الفرقان میں دارالعلوم دیوبند کو بدنام کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔[۱]

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کو ذلیل خوار کرنے اور دارالعلوم کے مسئلہ کو سنگین بنانے میں سب سے زیادہ رول مولانا نعمانی کے قلم نے ادا کیا بلاشبہ انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا جو اس سے پہلے وہ اصحاب بریلوی اور ارباب جماعت اسلامی کو ذلیل وخوار کرنے کے لئے اختیار کر چکے تھے وہی لایعنی اشارے، وہی مبہم سی باتیں، وہی مناظراتی رنگ اور درمیان میں وہی حسب معمول اپنی عاجزی اور مسکنت کا اظہار بھی کرتے چلے گئے۔ کتنی عجیب وغریب بلکہ عظیم الشان ہے وہ عاجزی جو تہمت تراشی کرنے اور انگارے اگلنے کے بعد بھی فنا نہیں ہو پاتی۔ مولانا منظور نعمانی نے حضرت مہتمم صاحب کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ زہر میں بجھے ہوئے تمام تیر ایک ایک کر کے مہتمم صاحب کے جسد عظمت میں پیوست ہو چکے ہیں لیکن مولانا نعمانی کا غصہ ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا بیس سالہ حسرت کو مطمئن کرنے کے لئے الفرقان کے کم سے کم بیس اداریئے تو گھسیٹے ہی جائیں گے لیکن حیرتناک بات یہ ہے کہ اپنے قارئین کو پھانسہ دینے کے لئے وہ سفوات زنی کے دوران اپنی عاجزی اور خاکساری کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہی رہتے ہیں تاکہ رند رہنے کے باوجود جنت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

مولانا نعمانی، قاضی زین العابدین، مولوی مرغوب بجنوری جیسے جذباتی اور خود کو بزرگ ثابت کرنے والے دارالعلوم دیوبند کو جو نقصان پہنچا رہے ہیں اس کی تلافی صدیوں میں بھی ممکن نہیں ہوگی ۔ مولانا نعمانی کی خوش گمانی تو ابھی تک یہ ہے کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے نہیں قاری طیب صاحب کے پرخچے اڑا رہے ہیں۔ حالانکہ ہوشمندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ قاری طیب صاحب کو چوراہے بازار میں ذلیل کرنا دارالعلوم دیوبند کی سو سالہ آبرو پر غلاظت اچھالنے کے مترادف ہے۔ مولانا نعمانی اس مسئلہ کو تنہائی میں خاموشی کے

---

[۱] مولانا منظور نعمانی نے اب تک جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا [illegible] جائزہ انشاء اللہ کسی [illegible] میں لیں گے۔

ساتھ نمٹا سکتے تھے بشرطیکہ ان کا نفس ان کے اپنے کنٹرول میں رہتا۔

مولانا نعمانی بزعم خود اس خوشگمانی میں مبتلا ہیں کہ قاری طیب صاحب کے عیوب کھول کر میں تصوف اور روحانیت کا اہم کام انجام دے رہا ہوں اور دوسری طرف حضرت مہتمم صاحب کی روش یہ ہے کہ ان کی زبان محفوظ ہے۔ اب خدا جانے نقصان کون اٹھائے گا مولانا نعمانی یا مولانا محمد طیب صاحب؟ شریعت کی نظروں سے دیکھا جائے تو حضرت مہتمم صاحب اپنے تقوے کو بچا لے گئے اور مولانا نعمانی کی بزرگی اختلاف کی جھاڑیوں میں الجھ کر پارہ پارہ ہوگئی۔

بات پیچیدہ ہوگئی۔ ہم یہ بتانا چاہ رہے تھے کہ مولانا نعمانی وغیرہ جیسے لوگوں نے دارالعلوم دیوبند کے مسئلہ کو انتہائی سنگین بنا دیا ہے اور اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں تالا پڑا ہوا ہے اور مولانا اسعد مدنی نے جب یہ دیکھا کہ گھی انگلی ٹیڑھا کرنے کے بعد بھی نہیں نکل سکے گا تو انہوں نے ڈبے ہی کو توڑ ڈالنے کا ارادہ فرمالیا ہے لیکن برا ہو شیطان لعین کا کہ وہ مولویوں کو نادیدات میں الجھا کر ہر ظلم پر انھیں مجبور کر دیتا ہے۔

جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں اس وقت حالات نارمل نہیں۔ مولانا اسعد مدنی کی جماعت تشدد پر اتری ہوئی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے دفاتر کھول دیئے گئے ہیں لیکن تعلیم کے سلسلہ کو ابھی التوا میں رکھا گیا ہے۔ جس وقت یہ شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گا اس وقت حالات دوسرا رخ اختیار کرلیں گے۔ عین ممکن ہے کہ دارالعلوم دیوبند پر مولانا اسعد مدنی کا قبضہ ہو جائے اس لئے کہ فی الوقت تمام جماعتیں حضرت مہتمم صاحب کی ذات سے ٹکرا رہی ہیں جو اختلافات دارالعلوم دیوبند میں ماضی قریب و بعید میں رونما ہو چکے ہیں وہ سب اس وقت سر ابھار رہے ہیں۔ اور سب اپنی تسکین چاہتے ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب سے کچھ لوگوں کو اس لئے اختلاف ہے کہ وہ حاجی عابد حسین کو بانی کہنے کے لئے تیار نہیں، کچھ لوگوں کو اس لئے اختلاف ہے کہ مہتمم صاحب جس برادری سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس برادری سے نہیں۔ کچھ لوگوں کو اس لئے اختلاف ہے کہ مہتمم صاحب مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے اندر مدنی اور تھانوی اختلاف کی جڑیں بہت گہری ہیں، کچھ لوگوں کو اس لئے اختلاف ہے کہ حضرت مہتمم صاحب ان کے ہم عمر ہیں لیکن عزت و رفعت میں ان سے آگے نکل چکے ہیں حضرت مہتمم صاحب کا ساتھ دینے والے بھی مختلف گروپ میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک گروپ کی رائے یہ ہے کہ مخالف عناصر کو انتہائی بے دردی کے ساتھ کچل دیا جائے، دوسرے گروپ کی رائے یہ ہے کہ از راہِ مصلحت مخالف عناصر کو ابھی اور برداشت کیا جائے، تیسرے گروپ کی رائے یہ ہے کہ اسعد مدنی صاحب سے اختلاف کو باقی رکھا جائے بلکہ

ان کا اوران کی جماعت کا استعمال کیا جائے ، البتہ شوریٰ سے مفاہمت کرلی جائے ، چوتھے گروپ کی رائے یہ ہے کہ مولانا اسعد مدنی سے ہاتھ ملالیا جائے اور شوریٰ کا بائیکاٹ کیا جائے کہ یہی تمام فتنوں کی جڑ ہے ۔ مختصراً یہ سمجھئے کہ اس وقت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب زبردست قسم کی آزمائش میں مبتلا ہیں لیکن حیرتناک بات یہ ہے کہ نہ ان کا دل بگڑا اور نہ ان کا ذہن بگڑا جبکہ دوسرے اربابِ تقویٰ اور "عاجزون" کی ایک جماعت نہ اپنے دل پر کنٹرول کر سکی اور نہ ہی زبان پر ۔

غیب کا علم تو خدا ہی کو ہے لیکن اگر ان ناگفتہ حالات میں حضرت مہتمم صاحب کو فتح اور کامرانی نصیب ہو جاتی ہے تو یہ معجزہ ہوگا ——— ورنہ بظاہر نظر آتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو تباہی و بربادی سے بچالینا اب ممکن نہیں ہے ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مولانا منظور نعمانی نے اب تک الفرقان میں جو کچھ لکھا ہے اس کا تنقیدی جائزہ انشاء اللہ ہم عنقریب لیں گے

تجلّی کی ڈاک

ایک طویل مدت سے عوام و خواص کا بے پناہ اصرار تھا کہ تجلی کی ڈاک کو کتابی صورت میں چھاپ دیا جائے تاکہ شرعی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو مولانا عامر عثمانی رح کی علمی کاوشوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے ۔ خود ہم نے کئی بار یہ ارادہ کیا کہ تجلی کی ڈاک کو کتابی صورت میں پیش کر دیں لیکن وسائل کی قلت ہمیشہ دیوار بن کر سامنے کھڑی رہی ۔ اب غور و فکر کے بعد یہ پروگرام بنایا ہے کہ تجلی کی ڈاک کو نوادر الفقہ کے عنوان سے منظر عام پر لایا جائے ۔ "نوادر الفقہ" کی قسط ہر دو ماہ بعد شائع ہوگی ۔ ہر قسط اکیسو پچاس صفحات پر مشتمل ہوگی اور اس کی قیمت دس روپے ہوگی ۔ محصول ڈاک سمیت شائقین کو فی قسط پندرہ روپے میں پڑیگی لیکن مستقل ممبران کے لئے ڈاک خرچ معاف رہے گا ۔ انہیں ہر دو ماہ کے بعد دس روپے کا وی پی روانہ کیا جائے گا ۔ ممبری فیس ایک روپیہ رکھا گیا ہے تاکہ قارئین کی جیب پر بوجھ محسوس نہ ہو ۔ تین سو ممبران بننے کے بعد پروگرام شروع کیا جائیگا ۔ کتابت جاری ہے ۔ امید کہ ہمارے قارئین خود بھی ممبر بنیں گے اور اپنے حلقۂ احباب میں بھی ممبر سازی کرنے کی زحمت گوارا کریں گے تاکہ پروگرام کی شروعات جلد سے جلد ہو سکے

ممبری فیس روانہ کرنے کا پتہ :- **عامر عثمانی بورڈ دیوبند** — (یو۔ پی)

ارشادِ رسولؐ

طاہر سلیم قصوری

حقیقتِ اسلام

اسلام کے لغوی معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اسلام سے مراد ظاہری اعمالِ شریعت کی پابندی ہے۔ ارشادِ رسول کے مطابق یہ پابندی پانچ ارکان پر مشتمل ہے۔

پہلا رکن توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمدی کی شہادت ہے۔ یہ شہادت ایمان کا جزو بھی ہے لیکن اس صورت میں اس کے ساتھ قلبی تصدیق بھی ضروری ہے۔ اسلام کے رکن کے طور پر اس سے مراد صرف ظاہری شہادت ہے۔

دوسرا رکن اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز پنجگانہ کو اس کے تمام آداب اور تقاضوں کے ساتھ پورے اہتمام اور پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے اور معاشرے میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ یہ اہتمام اور پابندی سہل ہو جائے۔

تیسرا رکن ادائے زکوٰۃ ہے۔ یہ مالی عبادت ہے۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی میں پاکیزگی اور نشوونما کا مفہوم شامل ہے۔ شرعی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد مال کی ایک خاص حد تک نصاب کے پورا ہونے پر اس سے مقررہ شرح کے مطابق مال کو مستحق لوگوں پر خرچ کرنا ہے۔ مال کی مختلف قسموں کے لئے نصاب اور شرح مختلف ہے بعض احوال مثلاً سونا چاندی نقد روپیہ اور مالِ تجارت پر زکوٰۃ اس وقت عائد ہوتی ہے جبکہ مال کم از کم ایک سال مالک کے تصرف میں رہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال اور مالک دونوں پاک ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں برکت ڈالتا ہے اور مالک کا پاک ہونا ان معنوں میں ہے کہ وہ بخل، حُبِ مال اور حرص سے پاک ہو جاتا ہے۔

چوتھا رکن ماہِ رمضان کے روزے ہیں —— پانچواں رکن حج ہے۔ حج کے لئے استطاعت کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ استطاعت نہ ہونے کی صورت میں کوئی بھی عمل لازم نہیں رہتا۔ دراصل حج اور دوسرے اعمال میں واضح فرق یہ ہے کہ دوسرے اعمال کی فرضیت قائم رہتی ہے لیکن ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے جبکہ حج کی استطاعت نہ ہو تو اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ دوسرے اعمال میں اکثر لوگ کسی نہ کسی حد تک استطاعت کے مالک ہوتے ہیں لیکن حج کے سلسلہ میں وسائلِ سفر کی فراہمی عام لوگوں کیلئے دشوار ہو جاتی ہے۔ حدیث کی رو سے مذکورہ بالا پانچ ارکان کی پابندی کا نام اسلام ہے ان معنوں میں ایمان کے بغیر بھی اسلام ممکن ہے۔ منافقوں کا ایمان ایسا ہی تھا۔ وہ قلبی تصدیق سے عاری تھے لیکن اعمال کی ظاہری پابندی کی وجہ سے ان سے معاملہ مسلمانوں جیسا کیا جاتا تھا آخرت میں اس قسم کا ایمان قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ اعمالِ مطلوبہ کے قابلِ قبول ہونے کیلئے خلوصِ نیت شرط ہے خلوصِ نیت کیساتھ اعمالِ شریعت کی پابندی کو تقویٰ کہتے ہیں

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

شریعتِ اسلامی اور انسانی اعضاء کی پیوندکاری

انسانی زندگی کو موت اور مہلک مصائب سے بچانا تاریخ انسانی کے ہر دور میں قابلِ قدر فریضہ سمجھا گیا ہے اور جو لوگ اس فریضۂ انسانیت کی بجاآوری سے سُرخرو ہوئے وہ ہمیشہ نوعِ انسانی کے نزدیک تحسین و تبریک کے مستحق قرار پائے۔ آج سے ساٹھ ستر سال پہلے تک لاکھوں انسان خون کی کمی خصوصاً لڑائیوں میں زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے لقمۂ اجل بن جاتے تھے۔ لیکن انسانی علم نے ترقی کی اور ماہرین علم طب، جن میں امریکی سرجن۔ کراٹل اسکنڈے نیویا کے ڈاکٹر جینکی اور ڈاکٹر موس کے نام سرفہرست ہیں خون کو ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں منتقل کرکے میڈیکل سائنس میں انقلاب برپا کردیا۔ اسکی وجہ سے لاکھوں لوگوں کو ہلاکت کے منہ میں جانے سے بچایا جانے لگا۔ چنانچہ آج ان علماء نے طب کو ساری دنیا محسنین انسانیت کے طور پر یاد کرتی ہے۔

دین اسلام نے بھی کسی انسانی زندگی کو ہلاکت یا مہلک مصیبت سے بچانے کو بڑی نیکی اور تمام انسانیت کے ساتھ ایک قسم کا احسان قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

ومن احیاھا فکانما احیاء الناس جمیعًا (سورہ المائدہ۔ ۳۲)

(ترجمہ) جس نے ایک انسانی جان کو ہلاک ہونے سے بچایا اس نے گویا ساری

انسانیت کو بچالیا۔
لیکن ہمارے بعض اہل علم نے قرآن حکیم کے ان واضح ارشادات پر غور کرنے کی بجائے فقہ کی کتابوں سے غیر متعلق عبارتوں کا سہارا لیکر نہ صرف ایک انسان کے خون کو دوسرے انسان میں منتقل کرنے کو ناجائز قرار دیدیا بلکہ انسانی اعضا کی پیوند کاری کو بھی حرام قرار دے دیا۔

ایک انسان کے خون کو دوسرے انسان میں منتقل کرنے کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب انسان کی زندگی کو ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو۔ بعض اوقات تو ہلاکت کا یہ خطرہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ چند ثانیئے کے توقف کے نتیجے میں موت واقع ہو جاتی ہے۔
قرآن حکیم نے اس حالت کو حالت اضطرار یعنی مجبوری کی حالت سے تعبیر کیا ہے اور اس حالت میں ان حرام چیزوں کو بھی استعمال کرنے کی کھلی اجازت دی ہے جنھیں وہ بڑے واضح الفاظ میں حرام قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔ (البقرہ ۱۷۳)

(ترجمہ:- تم پر مُردار خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور کو اللہ کے بغیر کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا جائے حرام قرار دیا ہے۔
لیکن جو شخص مجبور ہو جائے نہ زیادہ چاہنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں) کوئی مضائقہ نہیں)

قرآن حکیم نے یہاں اس امر کی کوئی تخصیص نہیں کی کہ یہ خون انسانوں کا ہوگا یا حیوانوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ہمارے علماء اس کا یہ فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسانی جسم کے لئے نقصان دہ ہیں لیکن ان تمام برائیوں کے باوجود قرآن حکیم مجبوری کی حالت میں جان بچانے کیلئے انہیں جائز قرار دیتا ہے۔
تمام فقہی مذاہب نے اس قرآنی اجازت کو تسلیم کیا ہے بلکہ ہر فقہ کے فقہاء نے تو غیر اضطراری حالت میں بھی ان حرام چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی۔ حنفی فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری میں یہ فتویٰ موجود ہے:-

" اگر بیمار کو کسی طبیب مسلمان نے خبر دی کہ تیری شفا خون یا پیشاب پینے یا مردار کھانے میں ہے اور اس نے مباح چیزوں میں سے اس کے قائم مقام کوئی چیز نہ پائی تو اس کا پینا و کھانا جائز ہے۔ اور اگر طبیب نے کہا کہ اس سے تجھے جلدی شفا ہو جائے گی تو اس میں دو وجہیں ہیں (یعنی ایک جواز کی اور دوسری عدم جواز کی) (فتاویٰ عالمگیری اردو ایڈیشن

شیخ غلام علی لاہور جلد نہم صفحہ ۹۸)

اضطراری کیفیت یا مجبوری کا جواز جان بچانے تک محدود تھا۔ لیکن یہاں بعض فقہاء جلدی صحت کے لئے بھی ان حرام چیزوں کو حلال قرار دیتے رہے ہیں کہ جس پر اضطراری حالت کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ خون پینا تو اکثر ضرورتوں میں صحت کیلئے نقصان دہ ہے جبکہ اس کے مقابلے میں اسی خون کو آلات کے ذریعہ منتقل کرنے میں ایسے نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اس لئے اس کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیئے۔ فقہ کی کتابوں کے ایک دوسرے مسئلے سے بھی خون کے انتقال کی تائید ہوتی ہے دودھ پلانے والی عورتوں کا دودھ خون سے ہی بنتا ہے بلکہ جس عورت میں خون کی کمی ہو سرے سے اس کا دودھ اترتا ہی نہیں۔ ہمارے فقہاء نے عورت کے اس دودھ کو دوا کے طور پر استعمال کرنے کی واضح اجازت دی ہے۔

" اور دوا کے واسطے مرد کو کسی عورت کے دودھ سے ناس لینے یا پینے میں مضائقہ نہیں "۔

(ایضاً) ظاہر ہے کہ یہ دودھ غیر عورتوں سے لیا جائیگا۔ جو ضروری نہیں کہ مفت ہی دیں اس لئے فقہاء نے دوسروں کے بچوں کو اُجرت پر دودھ پلانیوالی عورتوں پر قیاس کرتے ہوئے عورتوں کی دودھ کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ دی ہے :۔

لانہ لبن طاهر منتفع به فیجاز بیعه کلبن الشاة - ولانہ یجوز العوض فی اجازة الظئر (المغنی لابن قدامة جلد چہارم صفحہ ۲۶۰)

(ترجمہ :۔ کیونکہ وہ (یعنی عورت کا دودھ) پاک ہے جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اس لئے کہ بکری کے دودھ کی طرح اس کی فروخت جائز ہے کیونکہ اجرت پر دودھ پلانا بھی تو جائز ہے)۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جان کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ان حرام چیزوں کے استعمال کی صرف اجازت ہے یا ان کا استعمال لازمی ہے۔ فقہائے اسلام کے اس بارے میں متعدد فتاوے موجود ہیں کہ ان حرام چیزوں سے فائدہ اٹھانا فرض ہے اور جو اس شرعی اجازت سے فائدہ نہیں اٹھائیگا وہ اللہ کے نزدیک سخت مجرم قرار پائیگا اور قیامت کے دن اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

سئل ابو عبد اللہ عن المضطر یجد المیتة ولم یاکل فذکر قول مسروق من اضطر فلا یاکل ولم یشرب فمات دخل النار۔ وهذا اختیار ابن حامد وذلك لقوله تعالیٰ (ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة) وترك الاکل مع امکانه فی هذا الحال القاء بیده الی التهلکة (المغنی لابن قدامة جلد ۸ صفحہ ۵۹۶)

ترجمہ :۔ عبد اللہ سے ایسے مضطر (مجبور شخص)

کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ جسے جان بچانے کے لئے مردار گوشت دستیاب تھا لیکن اس نے نہ کھایا تو انھوں نے مسروق کا یہ قول نقل کیا کہ جس شخص کی حالت بھوک کی وجہ سے) اضطراری تھی لیکن اس نے (مردار کا گوشت) نہ کھایا اور نہ (حرام چیز) پی۔ اور اسی حالت میں مرگیا تو وہ قیامت کے دن دوزخ میں ڈالا جائیگا۔ اور یہی ابن حامد کی رائے ہے اور اس کی دلیل یہ ارشادِ ربانی ہے:۔ کہ تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور ایسی حالت میں (مردار) کے کھانے کو ترک کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

فقہائے کرام کی ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسانی جان کو ہلاکت سے بچانے کے لئے خون کے انتقال کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے بلکہ ایسا کرنا شرعاً واجب ہے اور اسپر عمل نہ کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

انسانی اعضا کی پیوند کاری

انتقالِ خون سے بھی زیادہ اہم معاملہ مکمل انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا مسئلہ ہے۔ علم طب اس حد تک ترقی کر چکا ہے کہ مردہ انسانوں کے اعضاء زندہ انسانوں کو بدل دیئے جاتے ہیں اس علم کی بدولت ہزاروں بصارت سے محروم افراد کو مُردوں کی آنکھیں پیوند کر کے ان کی بینائی لوٹائی جا چکی ہے۔ لیکن انسانی احترام کے پیشِ نظر اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ مُردہ ایسا کرنے کی اجازت اپنی موت سے پہلے دیدے۔ چنانچہ قریب المرگ یا کسی جرم میں موت کی سزا پانیوالے مجرموں سے ان کی موت سے پہلے انکے بعض اعضاء خاص طور پر آنکھوں کو بطور عطیہ دینے کی اپیل کی جاتی ہے۔ اگر وہ انسانیت پر احسان کرتے ہوئے اسکی اجازت دیدیں تو پھر ان کے متعلقہ عضو سے جسنے موت کے بعد فنا ہوجانا ہے۔ فائدہ اٹھالیا جاتا ہے۔ ابھی کسی معاشرے نے بغیر اجازت مردے کے اعضاء سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ اکثر اسلامی ملکوں نے خون کے انتقال کے مسئلے کے ساتھ ہی اس اہم مسئلہ کو حل کر لیا تھا۔ لیکن ہم ابھی تک اس بارے میں فقہی موشگافیوں میں سرگرداں ہیں۔ آج سے ساٹھ ستر سال پہلے مصر میں علماء کی ایک مجلس جسمیں علامہ رشید رضا بھی موجود تھے، یہ مسئلہ پیش ہوا۔ آپنے فرمایا کہ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے کہ اسپر اجتہادی رائے ظاہر کی جائے ہمارے فقہائے کرام نے تو صدیوں پہلے اس مسئلہ کا واضح حل پیش کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس مقصد کے لئے انھوں نے انسانی اعضا کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دیدی تھی۔ بشرطیکہ اس سے انسانیت کو فائدہ پہنچ سکے۔ چنانچہ اس کی تائید میں انہوں نے حنبلی فقہ کی مشہور کتاب المغنی کی جلد چہارم کھولکر رکھ دی

المغنی کے مصنف ابن قدامت کی وفات ۶۲۰ھ میں ہوئی تھی۔ اس کتاب میں اس اہم مسئلے پر یہ فقہی رائے دی تھی۔

"ومنافع اجزاء الآدمی یجوز بیعها فانه یجوز بیع العبد والامة وانما حرم بیع الحر لانه لیس بمملوک وحرم بیع العضو المقطوع لانه لا نفع فیه۔ (المغنی لابن قدامة جلد چہارم ص۲۶۰)

توجمہ:۔ اور انسان کے تمام اجزاء کی فروخت جائز ہے کیونکہ غلام اور لونڈی کی فروخت جائز ہے اور آزاد آدمی کی فروخت اس لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں اور انسان کے قطع کردہ عضو کی فروخت کی بھی اجازت نہیں کیونکہ اس میں کوئی نفع نہیں۔

علامہ رشید رضا نے اس فقہی رائے کے آخری حصہ پر نیچے فٹ نوٹ میں یہ وضاحت کی:۔

"انه یجوز بیعه، اذا انتفع به وهذا حاصل فی عصرنا فی الجلد تسلخ قطعة ویرقع بها البدن فی غیر ذلك" (ایضاً)

ترجمہ:۔ یعنی انسانی اعضاء کی فروخت اس وقت جائز ہے جب ان سے نفع اٹھایا جائے اور یہ ہمارے زمانہ میں ممکن ہوگیا ہے جبکہ جلد سے ایک قطع کاٹ کر اس سے بدن میں پیوندکاری کردی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ

علامہ رشید رضا کا شمار زمانہ جدید کے روشن خیال علماء میں کیا جاتا ہے لیکن اس روشن خیالی کے باوجود وہ اسلامی فقہ کے بارے میں ایک قدیم کتاب المغنی لابن قدامۃ کو بہت پسند کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ کتاب اپنے وقت کی سیاست سے متاثر نہیں ہوئی تھی اس لئے ہر وقت اسے اپنے پاس رکھتے تھے اور اسے زمانہ جدید کے تقاضوں کے مطابق بنانے کے لئے اس کا ایک نیا ایڈیشن شائع کرایا اور جہاں جہاں محسوس کیا ان مسائل کی وضاحت زمانہ جدید کی روشنی میں کردی جیسا کہ انسانی اعضا کی پیوندکاری کے بارے میں ان کی رائے اوپر گذر چکی ہے۔

انسانی اعضاء سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں شافعی مذہب دوسرے تمام مذاہب فقہ کی نسبت زیادہ ترقی پسندانہ ہے۔ اور وہ اتنا ترقی پسندانہ ہے کہ شاید آجکل کے ترقی پسندانہ دور میں بھی اسے آسانی سے قبول نہ کیا جاسکے۔ شافعی مذہب کی مشہور کتاب شرح المھذب میں یہ ترقی پسندانہ رائے ان الفاظ میں دی گئی ہے:۔

ان اضطر ولم یجد شیئا فهل یجوز له ان یقطع شیئا من بدنه ویاکله فیه وجهان۔ قال ابو اسحٰق یجوز، لانه احیاء نفس بعضو فجاز کما یجوز ان یقطع عضوا اذا وقعت فیه الاکلة لاحیاء نفسه (شرح مهذب از امام نووی طبع مصر جلد نهم صفحه ۴۱)

ترجمہ:۔ اگر کوئی شخص مجبور ہوگیا اور جان بچانے کے لئے کھانے کے لئے کچھ نہ پائے تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے جسم کا کوئی ٹکڑا کاٹ لے اور اسے کھائے اس بارے میں دو رائے ہیں اور ابو اسحاق نے فرمایا کہ اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اس عضو کے ذریعہ پورے جسم کو زندہ رکھا جارہا ہے اور یہ عضو کاٹنا اس طرح جائز ہے جس طرح کہ کسی عضو میں ناسور پیدا ہوجائے تو پوری جان بچانے کیلئے اس بیمار عضو کو کاٹ دیا جائے۔

تاہم حنفی فقہ کے فقہاء نے انسانی اعضاء سے اس قسم کا فائدہ اٹھانے سے منع کیا ہے۔ فتاوے عالمگیری میں ہے:۔

الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة وھو الصحیح کذا فی جواھر الاخلاطی (فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مصر جلد پنجم ص ۳۹۰) باب الندادی من الحظر والاباحة۔

ترجمہ: آدمی کے اجزاء سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس فیصلے کی وجہ انسان کی نجاست ہے جبکہ بعض کے نزدیک اس فیصلے کی بنیاد انسان کی کرامت ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ جواہر اخلاطی میں ایسا ہی بیان ہوا ہے۔

خیال رہے کہ مختلف فقہی مذاہب کے فقہائے کرام کی انسانی اجزاء کے استعمال کی جواز یا عدم جواز کی بحث کا تعلق زندہ انسانوں سے ہے لیکن جیسا کہ گذشتہ سطوروں میں واضح کیا جاچکا ہے آجکل میڈیکل سائنس نے انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے سلسلے میں اپنا دائرہ کار صرف مردہ انسانوں تک محدود رکھا ہوا ہے اور زندہ انسانوں کو مہلک مصیبتوں سے بچانے کے لئے مردہ انسانوں کے اعضاء کی پیوندکاری کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی جیسا کہ اسلام کی تعلیمات ہیں مردہ انسان کا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے یعنی اس کے اعضاء جو موت کے بعد فنا ہوجائیں گے۔ ان کے استعمال کے لئے موت سے پہلے قریب المرگ شخص سے باقاعدہ تحریری اجازت حاصل کی جاتی ہے اب یہ اس مرنے والے شخص پر منحصر ہے کہ اگر وہ انسانیت کی بھلائی کے لئے اس قسم کی اجازت دیتا ہے تو اس میں حرج کی کیا بات ہے مردہ کی وہ آنکھیں جو چند دنوں کے بعد فنا کی نذر ہوجائیں گی اگر اس سے کسی آنکھوں سے محروم شخص کو بینائی مل جائے تو جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے وہ شخص ضرور قیامت کے دن اجر کا مستحق ہوگا اس سلسلے میں سورۃ المائدہ کی بتیسویں آیت مضمون کے شروع میں پیش کی جاچکی ہے۔

شافعی اور حنبلی مذہب کے فقہی فیصلے جن میں سے کچھ اوپر نقل کئے جاچکے ہیں انسانی اعضاء کی پیوندکاری کی واضح اجازت دیتے ہیں۔ خود حنفی فقہ

کی کتابوں میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جن میں زندہ نفس کے بچانے کے لئے مردہ جسم کے اعضاء کو کاٹنے کی واضح اجازت دی گئی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس مسئلے کو ان الفاظ میں پیش کیا گیا۔

" فتاویٰ ابواللیث میں مذکور ہے کہ عورت مرگئی اور وہ حاملہ تھی اور یقین ہو اکہ اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہے تو عورت مذکور کا پیٹ بائیں طرف سے چاک کیا جائے۔ اسی طرح اگر گمان غالب ہو کہ اس کے پیٹ کا بچہ زندہ ہے تو بھی یہی حکم ہے۔ یہ محیط میں ہے (فتاویٰ عالمگیری اردو۔ مطبوعہ لاہور جلد نہم صفحہ ۲۰۷)

اس فقہی رائے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ کسی بچّہ کے زندہ ہونے کا یقینی ثبوت نہ بھی ہو تو گمان غالب پر بھی عورت کا پیٹ چاک کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ایک ایسے نفس کو بچانے کے لئے کہ جس کی زندگی کا پورا یقین نہیں ایک مردہ کے عضو کو کاٹنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کے لئے مردہ سے بھی کوئی اجازت نہیں لی گئی اور نہ ہی فقہاء نے اس اجازت کی کوئی شرط عائد کی ہے۔ اس کے برعکس موجودہ دور کا علمی مسئلہ اس سے کئی درجے کم حیثیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں ایک یقینی زندگی انسان کو ہلاکت سے بچانے کے لیے کسی مردہ انسان کا عضو اسکی تحریری اجازت کے بعد پیوند کیا جاتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ ہمارے فقہائے کرام نے ایک زندہ نفس کو بچانے کے لئے ایسے مُردہ نفس کہ اس کی موت کا پورا یقین بھی نہیں کے اعضاء کے ٹکڑے کرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ فتویٰ بھی فتاویٰ عالمگیری سے ہی ملاحظہ ہو:۔

" اور اگر کسی حاملہ کے پیٹ میں بچہ معترض ہو گیا یعنی بیڑا ہو کر جوڑان میں پڑ گیا اور لوگوں کو بچہ کے نکالنے کی کوئی راہ نہ معلوم ہوئی سوائے اس کے کہ بچے کے عضو عضو جدا کئے جائیں اور اگر ایسا نہیں کرتے ہیں تو ماں کی جان کا خوف ہے تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر بچّہ پیٹ کے اندر مر گیا تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (ایضاً ص۱۰۱)

حنفی فقہائے کرام کے یہ فیصلے بڑے واضح ہیں ان میں کسی بھی زندہ نفس کو ہلاکت سے بچانے کیلئے مردہ نفس کی اجازت کے بغیر اس کے اعضاء کے کاٹنے اور ٹکڑے کرنے کی اجازت دی ہے۔

اس زمانے میں میڈیکل سائنس مصیبت زدہ انسانوں کو دائمی دُکھ اور تکلیف سے بچانے کے لئے انسانی اعضا کی جو پیوندکاری کر رہی ہے تو اس کا دائرۂ کار صرف مُردہ انسانوں تک محدود ہے کہ جو اپنی موت سے پہلے انسانیت کے نفع کے لئے اپنے جسم کے بعد فنا ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی مرنے والے نے اپنے عطیۂ سے کسی دوسرے قریب المرگ انسان کو زندہ کردیا تو وہ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نزدیک عنداللہ اجر کا مستحق

ہوگا۔

ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعًا

(سورۃ المائدۃ ۳۲)

ترجمہ:- جس نے ایک انسانی جان کو ہلاکت سے بچا لیا۔ اس نے گویا ساری انسانیت کو بچا لیا۔

فقہ کی کتابوں سے غیر متعلق حوالے دے کر کسی مرنے والے انسان کو اس اجر سے محروم نہیں کرنا چاہیئے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کر رکھا ہے۔

غزل

مولانا عامر عثمانی

سکت ہو یا نہ ہو ہر حال میں کی ہے فغاں میں نے
نہیں ہونے دیا ان کے ستم کو رائیگاں میں نے

اجل کو دیدیا رنگِ حیاتِ جاوداں میں نے
خدا کا شکر دیدی آج ان قدموں پہ جاں میں نے

شبِ آخر سُنی کس کی آوازِ فغاں میں نے
قمر تھرّا اٹھا تاروں کو دیکھا نیم جاں میں نے

تمہیں تو موت دینے میں بھی اس درجہ تامل ہے
کہ جیسے مانگ لی ہو دولتِ کون و مکاں میں نے

مری بربادیوں پر رونے والے کیا خبر تجھ کو
خریدی ہیں بہت کچھ دے کے یہ بربادیاں میں نے

قیامت ہے، نہیں اس غم پہ قابو بھی مجھے عامر
دیا ہے اس کی قیمت میں نشاطِ دو جہاں میں نے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل حدیث اور فقہاء

سوال:- یہاں ایک اہل حدیث بزرگ "حقیقۃ الفقہ" نامی کتاب سے فقہ حنفی کی کتب کے حوالے سے ایسی باتیں پیش کر رہے ہیں کہ صحیح یادرکرنا مشکل ہوتا ہے۔ حقیقت کیا ہے کیا واقعی یہی مسائل فقہ حنفی کے ہیں یا غلط ہیں؟ براہ کرم وضاحت فرمائیں۔ چند ایک نمونے درج ذیل ہیں

(۱) مرد انتہائے مشرق میں ہو اور عورت انتہائے مغرب میں اتنے فاصلے پر کہ دونوں کے درمیان سال بھر کی راہ ہو۔ کسی طرح ان کا نکاح کر دیا گیا۔ اگر بعد تاریخ نکاح کے عورت چھ ماہ میں بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا حرامی نہ ہوگا۔ بلکہ یہ اس مرد کی کرامت تصور کی جائے گی۔ (" درمختار جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

(۲) جس نے شراب کے دو پیالے پیئے اور نشہ نہیں ہوا پھر دسواں پیالہ پیا تو نشہ ہوا تو یہ دسواں پیالہ حرام ہے پہلے کے نو نہیں۔ (درمختار جلد ۴ صفحہ ۲۶۴)

(۳) گونگا زنا کرے تو حد نہیں اگرچہ خود اقرار کرے خواہ گواہ بھی گذر جائیں۔ (" درمختار جلد ۲ صفحہ ۴۰۱)

زیادہ کیا عرض کروں۔ پوری کتاب حقیقۃ الفقہ کے صفحے کے صفحے ایسی ہی خرافات سے پُر ہیں۔ ہم سب احباب منتظر ہیں کہ جلد ہی آپ کا جواب باصواب ملے تو دلوں کو کچھ اطمینان ہو۔ آپ کا جواب تجلی کی کون سی اشاعت میں رہے گا۔ مطلع فرمائیں۔ تاکہ دلوں کو اطمینان رہے۔

الجواب:-

ایک ہی چمن میں رنگا رنگ پھولوں کا وجود کوئی بُرائی نہیں بلکہ حسن ہے۔ اسی طرح ایک ہی مذہب کے پیروؤں میں ذیلی وضمنی اختلافات کا پایا جانا اور پھر ان اختلافات کی بنیاد پر مختلف حلقے اور گروہ بن جانا کوئی خوفناک حادثہ نہیں بلکہ ذہنوں کی رنگا رنگی کا ایک فطری مظاہرہ ہے یہ مظاہرہ فتنہ و فساد میں اسوقت تبدیل ہوتا ہے جب نفوس تزکیہ سے اور قلوب صفا سے

خالی ہو جائیں۔ ہماری بدقسمتی سے آج کا زمانہ ایسا ہی زمانہ ہے کہ باطن تاریک ہوتے ہی جارہے ہیں نفوس کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور قلوب وارواح پر شیطانی ترغیبات سایہ پھیلائے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختلف حلقہ ہائے فکر کے ذیلی وفروعی اختلافات جنگ وجدل، مخالفت ومبارزت اور عناد وفساد کی ارزل سطح پر جا پہنچے ہیں۔

اہل حدیث، اہل دیوبند اور اہل بریلی، سبھی کا حال بفرق مراتب یہ ہے کہ محبت اور نفرت، دوستی اور دشمنی، حمایت اور مخالفت میں اعتدال اور انصاف کی حدوں سے تجاوز کر کے بلا تکلف بے اعتدالی، ظلم اور تعصب وتشدد کی وادی میں بھٹک جاتے ہیں۔ اور فریق مخالف کو ذلیل و پسپا کرنے کے لئے اچھے سے اچھا اور مذموم سے مذموم حربہ استعمال کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔

مثلاً بریلیوں کا لٹریچر دیکھئے اس میں اہل حدیث اور اہل دیوبند کے خلاف نفرت انگیزی کی بدترین تکنیک ملے گی۔ اسی طرح اہل دیوبند کے متأخرین کے یہاں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی تذلیل وتفسیق میں حد سے گذرنے اور عدل کا خون کرنے کے المناک نمونے مل جائیں گے اور اسی طرح اہلِ حدیث کی تحریر وتقریر میں نفسِ امارہ کی وسیسہ کاریوں کا فساد کروٹیں لیتا نظر آئیگا۔

اہل حدیث تقلید کے مخالف ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا کہ انھیں تقلید کرنے والے پسند نہ ہوں اور ان کی فقہ بھی ان کی بارگاہِ علم وفہم میں کوئی منزلت نہ رکھے یہاں تک تو بات ٹھیک تھی لیکن قلوب چونکہ مزکی نہیں ہیں اور دماغ وروح کا تعلق حق تعالیٰ سے کمزور پڑ گیا ہے اسلئے ایک طرف یہ اختلاف عناد ومخالفت کے زاویئے اختیار کرتا چلا گیا۔ اور دوسری طرف انھیں عالی مقام فقہاء اور ائمہ سے کد ہو گئی۔

ارادی خیانت اور دانستہ ظلم کا الزام ہم نہ تمام اہل حدیث پر رکھ سکتے ہیں نہ جملہ بریلویوں پر لیکن ان دونوں ہی گروہوں کے اندازِ فکر کی بنیاد اصل میں فہم وذکا کی قلت اور فراست وتفقہ کی کمی پر ہے۔ بات کسی کو کتنی ہی ناگوار ہو مگر ہے امر واقعہ کہ اللہ تعالیٰ نے ذہنی صلاحیتیں سب کو یکساں نہیں دیں۔ اہل حدیث کو اللہ اور رسولؐ سے محبت ہے وہ نیت کی حد تک مخلص ہیں۔ مگر علمائے مقلدین سے کٹ کر الگ ایک گروہ بن جانے کی نفسیاتی وجہ ہی یہ ہوئی کہ علمائے مقلدین اللہ کی عطا کردہ فراست وذہانت سے جتنی دور دیکھ سکتے تھے اتنی دور تک دیکھنے کی استعداد اللہ نے ان حضرات کو عطا نہیں کی تھی۔ اب باطن اگر مصفا ہوتا تو یہ لوگ اس تکوینی صورت حال کا احساس وادراک کرتے اور کبر وانانیت کے داعیوں پر خوفِ الٰہی کی سل رکھ دیتے۔ لیکن نفس کے

شیطان نے انھیں غیر محسوس طور پر ورغلایا اور یہ پورے اخلاص اور حسنِ نیت کے ساتھ یہ سمجھنے لگے کہ جہاں تک ہماری نگاہِ فہم و بصیرت پہنچتی ہے بس وہی مسائل کی آخری حد ہے اور اس حد سے آگے دیکھنے کا جو مظاہرہ فقہاء کا تفقہ کر رہا ہے وہ گمراہی اور فریب ہے کتاب لکھنا پیش نظر ہوتا تو ہم اس تمہید کو بہت کچھ پھیلا سکتے تھے لیکن اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہوئے سوال کا جواب عرض کرتے ہیں۔

درمختار فقہ حنفی کی خاصی مشہور کتاب ہے۔ اس کا علمی و فقہی پایہ بہت بلند ہے۔ مگر یہ قرآن نہیں اس لئے اس میں سہو و خطا کے ایسے جھول بھی ضرور ہوں گے جن سے غیر معصوم انسانوں کا اولیٰ بھی کارنامہ خالی نہیں ہوتا۔ پھر کیا ان لوگوں کو عادل پسند اور مصلح قرار دیا جائے گا۔ جو فقط کمزوریوں کی تلاش میں رہیں اور انھیں ایسے پروپیگنڈے کی سان پر چڑھا کر پیش کریں جس سے اصل کارنامے حقیقی اور واقعی اہمیت و عظمت خاک میں مل جائے۔

درمختار یا عالمگیری یا فقہ حنفی کی کسی بھی کتاب میں اگر کوئی جزئیہ واقعۃً قابلِ اعتراض ہے تو کسی بھی شریف الطبع عالم کو اسے گھٹیا قسم کی نفرت انگیزی کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے بلکہ عالمانہ انداز میں سنجیدگی کی سطح پر اس کے نقص کو واضح کرنا چاہیئے۔ یہ طریقہ کہ ظاہر فریب اور مغالطہ انگیز عبارتوں کو ان کی جگہ سے اکھیڑ کر کم علم عوام کے سامنے رکھدیا جائے بڑا ہی غلط اور گندہ ہے۔ اگر بالفرضِ بھی فقہاء سے کسی مسئلے میں چوک ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس چوک کی آڑ لیکر ہم ان کی تمام ہی خوبیوں پر پانی پھیرنے کی اوچھی ترکیبیں کرنے لگ جائیں۔

اس اصولی تذکیر کے بعد ہم بتاتے ہیں کہ نمونے جو مسائل آپ نے "حقیقۃ الفقہ" سے پیش کئے ہیں وہ فی الحقیقت قصور و خطا پر مبنی نہیں ہیں لیکن فہم و تفقہ کی کمی نے اہل حدیث بزرگ کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ان مسائل کو فاحش غلطیوں کی فہرست میں رکھدیا انصاف ہوگا اور چونکہ عوام زیادہ علم و بصیرت نہیں رکھتے اس لئے وہ بھی ادراک نہیں کر سکتے کہ یہ نمونے فقہاء کی بے فکری کا ثبوت نہیں بلکہ ان کے گہرے تفقہ، امعانِ نظر اور دقیقہ سنجی کے شاہد ہیں۔ ابھی ہم آپ کو بتلاتے ہیں فکر و تدبر اور علم و بصیرت کی تائید فقہاء کے ساتھ کیونکر ہے۔ اور اہلحدیث معترض کے ساتھ کیوں نہیں۔

نمونہ نمبر ۱ کو لیجئے۔ مسئلہ کے سیاق و سباق کو چھوڑ دیا گیا۔ پھر ان حکمتوں کو نظر انداز کیا گیا جو زیر بحث مسئلہ میں فقہاء نے قرآن و سنّت ہی کی پیروی کے رُخ سے ملحوظ رکھی تھیں علاوہ ازیں اسلام کے ان دیگر قوانین کی طرف سے آنکھیں بند کر لی گئیں جو اس مسئلے میں فقہاء احناف کو متذکرہ بالا رائے قائم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ بات مثال سے سمجھ میں آئے گی۔

زید اور نجمہ کو آج آپ نے بیاہ دیا۔ یہ بیاہ غائبانہ ہوا۔ زید اور نجمہ کے درمیان آپ کی معلومات کے مطابق ایک سال کی مسافت تھی اب ٹھیک چھ ماہ بعد بچّہ پیدا ہوتا ہے۔

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ جب تک اس بچّے کے حرامی ہونے کا ثبوت نہ مل جائے اسے حلالی ہی ماننا ہوگا۔ کان کھول کر سنئے وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ آپ کو شاید معلوم ہو کہ اسلام میں ایک طریقہ "لعان" کا بھی ہے۔ یعنی مرد اگر بیوی پر زانیہ ہونے کا شبہ کرتا ہے تو قرآن میں لعان کے عنوان سے ایک آئینی طریقہ بتایا گیا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوگا۔ کہ مرد اپنی بیوی کے بطن سے کسی اور کا بچّہ تولد ہونے کو پسند نہیں کرتا وہ اگر ایسے واقعے پر مطلع ہو جائے تو فضیحتہ کھڑا کر دیتا ہے اب پیش آمدہ صورت میں اگر شوہر اپنی اس "غیبی بیوی" پر زنا کا اشتباہ ظاہر نہیں کرتا نہ تولّد ہونے والے بچّے کو حرامی کہتا ہے تو اصول نفسیات کے تحت قیاس یہ کیا جائے گا کہ یا تو نکاح کے وقت آپ کی یہ معلومات غلط تھیں کہ زید ایک سال کی مسافت پر ہے۔ وہ اتنے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوگا اور بیاہ سے کچھ ہی روز بعد چپ چپاتے بیوی تک پہنچ گیا ہوگا۔ یا پھر اس نے کوئی ایسی سواری سفر کے لئے اختیار کی ہوگی جو سال بھر کی مسافت کو چند ہفتوں یا مہینوں میں قطع کر دے۔

بات کو عام فہم بنانے کے لئے ہم تمثیل کو مزید شرح و بسط سے پیش کرتے ہیں۔ زید کی رہائش گاہ کا نام لندن فرض کر لیجئے اور نجمہ کی رہائش گاہ کا دہلی۔ نیز یہ بھی مان لیجئے کہ زمانہ ہوائی جہازوں اور ریلوں کا نہیں گھوڑوں اور بیل گاڑیوں کا ہے۔ جن کے ذریعے کم سے کم ایک سال میں لندن کا باشندہ دہلی پہنچ سکے گا۔

کوئی خاص وجہ ایسی پیش آئی ہے کہ شریعت کے ایک خاص قانون سے فائدہ اٹھا کر کم سنی میں کو زید اور نجمہ کا غائبانہ نکاح کر دیا جاتا ہے۔ چلئے یہ بھی مان لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص یا اشخاص یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ نجمہ اور زید کے درمیان سال بھر کی مسافت ہے۔ وہ نکاح کے وقت کہاں ہیں؟

اگر وہ دہلی میں ہیں تو معلوم ہوا کہ نکاح کے وقت زید کا لندن میں ہونا محض غائبانہ معلومات

کی بنا پر بیان کیا جا رہا ہے۔ مشاہدہ اس کی بنیاد نہیں۔ یہ حضرات اگر خود کسی وقت لندن ہوں گے۔ اور زید کو وہاں رہتے دیکھا ہوگا تو ظاہر ہے یہ دیکھنا کم سے کم ایک سال قبل وقوع میں آیا ہوگا جب مسافت ایک سال طے کرلی گئی تو ان لوگوں کا یکم جنوری ۵۰ء کو دہلی میں موجود ہونا قطعی ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ پورے ایک سال تو یہ لندن سے دلی تک کے سفر میں رہے ہیں اور زید کو لندن میں موجود دیکھنے کا واقعہ کم سے کم سن ۴۸ میں پیش آیا ہوگا۔ لہذا اب جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ نکاح کے وقت زید لندن میں موجود ہے تو اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں۔ عین ممکن ہے کہ جس روز یہ لندن سے دہلی کو چلے اگلے ہی روز زید بھی وہاں سے چل کھڑا ہوا ہو اور نکاح کے وقت دہلی ہی کے آس پاس یا دہلی ہی کے کسی محلے میں موجود ہو۔ کون نہیں جانتا کہ خاص حالات میں بعض باتیں چھپائی جاتی ہیں خاص حالات کی موجودگی تو اسی سے ثابت ہے کہ بظاہر سال بھر کی مسافت حائل ہونے کے باوجود غائبانہ نکاح کیا جا رہا ہے۔ پھر ایسے وجوہ کیوں موجود نہیں ہو سکتے جن کے باعث زید نے اپنی لندن سے روانگی چھپائی ہو اور چپ چپاتے بیوی کے ساتھ رات گذارنے کا واقعہ بھی مصلحتاً پردے میں رکھا ہو

اور اگر دعویٰ کرنے والے نکاح کے وقت لندن میں ہیں تو ٹھیک اسی وقت نجمہ کا سال بھر کی مسافت پر قیام پذیر ہونا غیر یقینی ہوگا۔ کیا بعید ہے جب ان لوگوں نے نجمہ کو دہلی میں دیکھا تھا اس سے اگلے ہی روز وہ گھر والوں سمیت انتقال مکانی کرکے لندن کے آس پاس کہیں جا رہی ہو۔ جب ممکنہ وسائل سفر کی نسبت سے یہ طے کر لیا گیا کہ فاصلہ سال بھر سے کم میں طے ہو ہی نہیں سکتا تو ایسے کسی عینی شاہد کا وجود ممکن ہے جو کہہ سکے کہ نکاح کے وقت زید کا لندن اور نجمہ کا دہلی میں موجود ہونا میں نے خود دیکھا ہے۔ عینی شہادت کا کیا سوال ہے جب کہ مفروضہ فاصلے کے باعث کوئی بھی شخص زید اور نجمہ دونوں کا دیدار ایک سال کے فصل سے کم میں کر ہی نہیں سکتا۔

اب پہلو صرف یہ رہ جاتا ہے کہ مدعی حضرات گواہوں سے کام چلائیں۔ مگر گواہ تو جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ لندن سے کوئی صاحب خط کے ذریعہ اطلاع دیں تو یہ بھی گواہی کی ہی ایک شکل ہوگی جو صدق و کذب دونوں کی متحمل ہے۔ علاوہ ازیں گواہوں کو پرکھنا اور ان کے صدق و کذب کا اندازہ لگا کر مقدمات کا فیصلہ دینا تو عدالت کا کام ہے۔ نجمہ کے بطن سے پیدا شدہ بچے کا مقدمہ اگر کسی طرح عدالت اس بچے کو حرامی اور اس کی ماں کو زانیہ قرار نہیں دیتی۔ ہمہ شما کو آخر کیا حق ہے کہ وہ محض ناکافی دلائل اور فقط اٹکل سے ایک عفیفہ کو زانیہ اور ایک معصوم بچے کو حرامی قرار دیں کیا آپ کو نہیں

معلوم کہ زنا کا الزام لگانا بجائے خود بہت بڑا جرم ہے جس پر کوڑے برس سکتے ہیں۔ پھر ان فقہاء کو محتاط اور منصف کے سوا کیا کہا جائے گا جنھوں نے قرآن وسنّت کے صریح و محکم فرامین کے اتباع میں ایک پاکدامن عورت کو بلا شرعی شہادتوں کے زانیہ ملنے سے انکار کردیا۔

قدرتی بات ہے۔ اگر خود شوہر ہی پیش فرمودہ حالات میں بیوی کو حرام کار نہیں سمجھ رہا ہے تو ہمیں بھی یہی خیال کرلینا چاہئے کہ ہو نہ ہو وہ نکاح کے بعد مباشرت کا موقع ضرور پاچکا ہے ورنہ کیوں غضبناک ہوکر بیوی پر الزامِ زنا عائد نہ کرتا۔

آپ کہیں گے یہ تو محض خیال آرائی ہے۔ قیاس ہے۔ منطقی دلیل نہیں ہے ہم کہیں گے کہ قیاس تو تفقہ اور آئینی تدبّر کی جان ہے۔ پھر ایسی صورت میں کہ غائبانہ نکاح اور سال بھر کی مسافت بھی ایک فرضی سا معاملہ ہے قیاس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں قتل اور زنا جیسے بڑے جرائم میں ثبوتِ جرم کے لئے قیاس اور خیال آرائی کافی نہیں ہے۔ لیکن جرم کو مشکوک بنانے میں یہ بہت کافی ہے۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ شک کا فائدہ ہمیشہ مجرم کو پہنچتا ہے۔

مستزاد یہ کہ جہاں تک معیارِ شہادت کا تعلق ہے اسلام میں زنا کا معاملہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے قتل ایک عینی شہادت پر بھی ثابت ہوجاتا ہے لیکن زنا کیلئے نصِ قرآنی کے مطابق چار عینی شاہد چاہئیں۔ حتّٰی کہ اگر وہ جج بھی خود اپنی آنکھوں سے زنا کا مشاہدہ کرچکا ہو جو مسندِ قضا پر بیٹھا ہے تب بھی وہ اس وقت تک کسی کو زانی یا زانیہ قرار نہیں دے سکتا جب تک مزید تین عینی شاہد مہیا نہ ہوجائیں۔

مضائقہ نہ ہو تو آیتِ قرآنی بھی دیکھتے چلئے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ	وہ لوگ (الزامِ زنا کے ثبوت میں) کیوں نہ
فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ	لائے چار شاہد جبکہ وہ کم سے کم چار شاہد نہ لاسکے
عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝	تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ (سورۂ نور)

اور شاہدوں کی صرف گنتی ہی پوری کردینی کافی نہیں ہے۔ شہادت کا معیار شریعت نے بڑا سخت مقرر کیا ہے یہ کہ نہیں کہ فلاں صاحب نے فرمادیا کہ ہاں بھئی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس عورت کا فلاں شخص سے تعلق ہے۔ جی نہیں ایسی شہادت کو زنا کے معاملے میں ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ ٹھیک حالتِ مباشرت میں غیر مشتبہ مشاہدے کی گواہی دینی ہوگی۔

اب بتایئے، جس جرم کا ثابت ہونا شرعاً چار عینی شاہدوں پر منحصر ہو وہ کیسے ثابت مان لیا جائے گا۔ اگر عینی شاہد تو ایک بھی نہ ہو اور عقل و قیاس بجا طور پر اس کی گنجائش پیدا کر رہے ہوں کہ یہ جرم واقع ہی نہ ہوا ہو۔

کیا حدیث کی محبت کا دعویٰ کرنے والے حضورؐ کی اس حدیث سے واقف نہیں کہ ادفعُوا الحُدُودَ مَا وَجَدتُم لَهَا مُدفَعًا۔ سزاؤں کو دفع کرو جس حد تک بھی تم انھیں دفع کرنے کی گنجائش پا سکو۔

اور کیا یہ ارشادِ رسولؐ ان کی نظر سے نہیں گزرا کہ ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ (جہاں تک بھی بنے مسلمانوں سے سزاؤں کو دور رکھو۔ اگر ملزم کے لئے بری ہونے کا کوئی راستہ نکل سکتا ہے تو اسے بَری کردو۔

اقوالِ پیغمبرؐ کے علاوہ کیا معز بن مالک اسلمی یا غامدیہ کے معاملوں میں حضورؐ کا وہ طرزِ عمل انھوں نے ملاحظہ نہیں کیا جو حدیث کی اکثر کتابوں میں صاف صاف موجود ہے۔ دونوں قصے لمبے ہیں، حاصل یہ کہ ان میں سے ہر ایک نے حضورؐ کے آگے خود آپ نے زنا کا اقرار کیا تھا۔ اقرار کے بعد ظاہر ہے شہادت کا جھگڑا ہی نہیں رہ جاتا مگر حضورؐ نے پھر بھی انھیں مجرم قرار دینے میں جلدی نہیں کی بلکہ ایسے تمام امکانات کو پیشِ نظر رکھا کہ ممکن ہے یہ اقرار نشے کی حالت میں ہو ممکن ہے ان کی عقل میں فتور آ گیا ہو۔ ممکن ہے زنا پوری طرح واقع نہ ہوا ہو بلکہ کوئی کسر رہ گئی ہو اور یہ اُسے زنا ہی کے درجے میں رکھ رہے ہوں۔ غرض آپؐ نے کافی جرح کی اور آخر کار جب معترفین نے کوئی گنجائش ہی نہیں نکلنے دی تب بادلِ ناخواستہ آپ نے حدِّ شرعی کا نفاذ کیا یہ حضورؐ کا کھلا کھلا قولی اور عملی اسوہ اس کے سوا آخر کیا ظاہر کرتا ہے کہ زنا جیسے سخت الزام کو انتہائی اٹل اور شک کے امکان سے بالاتر صورتوں ہی میں ثابت مانا جا سکتا ہے ورنہ نہیں

یہ گفتگو خالص آئینی رُخ سے تھی۔ اب ذرا بچہ کے معصوم بچے کی ذات بھی سامنے رکھئے ظاہر ہے ہر زنا سے حمل قرار نہیں پاتا۔ جو زانیہ حاملہ نہ ہو اس کے لئے بھی شریعت چار عینی گواہ یا پھر زانیہ ہی کا برملا اعترافِ جرم طلب کرتی ہے۔ تب جس صورت میں کہ بچہ بچے کو جنم دے چکی ہے اثباتِ جرم کی زد اکیلی بچہ پر نہیں اس کے بچے پر بھی پڑے گی کسی بچے کو حرامی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے بربادی کے جہنم میں جھونک دیا گیا۔ گویا جو مسئلہ ہمارا موضوعِ گفتگو ہے اس میں

اثبات جرم دو ہستیوں کی بربادی کا موجب بن رہا ہے۔ لہذا عقل و عدل کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ جو شرائط شریعت نے اثباتِ جرم کے رکھے ہیں ان کا اس مسئلے میں اور بھی سختی سے لحاظ کیا جائے معترض بزرگ کے کاسۂ سر میں اگر قانونی نزاکتوں کو سمجھنے والا اجانداز دماغ نہیں ہے تو کم سے کم ایک شریف حساس اور اثر پذیر دل تو سینے میں ضرور ہوگا۔ پھر کیا بات ہے کہ وہ ایک معصوم و بے گناہ بچے کو بھی قطعی ناکامی دلائل کے سہارے برباد کر دینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ دلائل تنہا نجمہ کو بھی برباد کرنے کا جواز نہیں دیتے۔ کیا بات ہے کہ وہ ایک مسلمان خاتون کو پاکدامن ماننے کیلئے تیار نہیں حالانکہ اس آیتِ قرآنی کی رو سے جسے ہم "چار شاہدوں" کے سلسلے میں نقل کر آئے ہیں وہ خود اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں جھوٹے ہیں۔ کیونکہ چار کیا ایک بھی عینی شاہد پیش نہیں کر سکے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

کوئی اگر کہے کہ معاملہ غائبانہ نکاح کا نہیں بلکہ ہوا یوں تھا کہ زید کا نکاح نجمہ سے عام نکاحوں کی طرح ہی کیا گیا مگر نکاح کے فوراً بعد زید لندن کے لئے روانہ ہو گیا۔ لہذا شبِ عروسی کی نوبت نہیں آئی

ہم کہیں گے کہ اس صورت میں تو اور بھی ممکن ہے کہ زید نے اس دن روانگی کا پروگرام فسخ کر دیا ہو اور کسی مصلحت کی بنا پر ظاہر یہی کرتا رہا ہو کہ آج روانہ ہو رہا ہے یا فی الواقع روانہ ہو ہی گیا ہو۔ لیکن اگلے روز راستے ہی میں سے لوٹ آیا ہو اور پھر شبِ عروسی گذار کر سفر شروع کیا ہو۔

اس طرح کے واقعات بارہا پیش آتے رہتے ہیں کہ فی الاصل تو زن و شوہر میں خلوت صحیحہ ہو گئی مگر دوسروں کو اس کا پتہ نہیں چلا۔ تو فقہاء کو بھلا یہ شوق کیوں ہونے لگا کہ گنجائش حلال کی موجودگی میں نجمہ کو زانیہ اور بچے کو حرامی قرار دیں۔ اللہ پناہ میں رکھے کسی زانیہ کو ثبوت نہ ہونے کی بنا پر عفیفہ سمجھ لینا کوئی جرم نہیں مگر کسی عفیفہ کو غیر قطعی دلائل کی بنیاد پر زانیہ ٹھہرا دینا انتہائی ناپاک حرکت ہے۔ ایسی حرکت کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو بدن کی کھال اُدھیڑی جا سکتی ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

فقہاء جن کے بارے میں اہلحدیث یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ قیاس کے مقابلے میں حدیث

کی پرواہ نہیں کرتے۔ حقیقۃً حدیث کے کس قدر متبع ہیں اس کا اندازہ اس زیرِ بحث مسئلے کی ایک حدیث سے کیجئے۔

مؤطا امام مالک میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان عتبہ نامی نے مرتے وقت اپنے بھائی سعد سے کہا کہ زمعہ نامی شخص کی باندی کا جو لڑکا ہے وہ میرے نطفے سے ہے لہٰذا وہ تمہارا بھتیجا ہے اُسے اپنی پرورش میں رکھنا۔

جب مکہ فتح ہوا تو سعد نے اس لڑکے کو لے لیا مگر زمعہ کا ایک بیٹا کہنے لگا کہ تم اس لڑکے کو کیسے لیتے ہو یہ تو میرا بھائی ہے کیونکہ میرے باپ زمعہ کے بطن سے ہے۔ بات بڑھی تو دونوں اس لڑکے سمیت حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور اپنا معاملہ پیش کیا۔

اب دیکھئے۔ قرینہ صاف کہہ رہا تھا کہ لڑکا مرحوم عتبہ ہی کا ہے۔ ورنہ کیوں وہ مرتے وقت جھوٹ بولتا اور جھوٹ بھی ایسا جس سے وہ ذاتی قرار پا رہا ہو۔ علاوہ ازیں لڑکے کی شکل و صورت میں مرحوم عتبہ ہی کی مشابہت نمایاں تھی۔ چنانچہ حضورؐ کو یقین ہو گیا کہ لڑکا فی الاصل عتبہ ہی کا ہے اسی یقین کی بنیاد پر آپ نے زمعہ کی جو بیٹی سودہ کو حکم دیا کہ تو اس لڑکے سے پردہ کیا کر۔ ظاہر ہے پردے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا اگر حضورؐ لڑکے کو زمعہ کا تصور فرماتے اس صورت میں تو لڑکا اور سودہ بھائی بہن ہو جاتے۔ پھر بھلا کیا آپ بہن کو بھائی سے پردے کا حکم دیتے۔ کھلی بات ہے کہ حضورؐ کے نزدیک لڑکا عتبہ ہی کا تھا۔

لیکن قانونی فیصلہ آپ نے کیا دیا — یہ ہے حدیث کی جان فیصلہ آپ نے یہ دیا کہ لڑکا سعد کو نہیں بلکہ زمعہ کے بیٹے کو ملے گا۔ اور زمعہ کے بیٹے سے فرمایا کہ ہاں تم اسے لے جاؤ یہ تمہارا ہی حق ہے اسی کے ساتھ یہ اصول زبانِ صداقت نظام سے فرمایا کہ :۔

الولدُ للفراش — لڑکا صاحب فراش کا ہوتا ہے اور
وللعاھر الحجرُ — زنا کرنے والے کے لئے تو پتھر ہیں۔

کسی عورت کا فراش وہ شخص ہے جسے شرعاً اس سے صحبت کرنا جائز ہو۔ ایسا شخص یا تو شوہر ہو سکتا ہے یا آقا۔ آقا سے مراد وہ مرد ہے جو ٹھیک ٹھیک شرعی قانون کے مطابق کسی لونڈی کا مالک بنا ہو۔ لونڈی سے مالک کا صحبت کرنا اسی طرح حلال ہے جس طرح شوہر کا بیوی سے۔ اب تدبر فرمایئے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین سے بڑھ کر بھی کیا کوئی دلیل و شہادت ہو سکتی ہے؟ اس کے باوجود آپ قانونی فیصلہ یہی دیتے ہیں کہ لڑکے کو حرامی نہ

قرار دیا جائے۔ بلکہ ثابت النسب ماناجائے۔ نہ صرف فیصلہ دیتے ہیں بلکہ ایک قانون کلیہ بیان فرماتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ثبوت نسب کے مقدمات میں ہمیشہ کیلئے ایک بنیادی اصول عطا کر دیا۔

اب انصاف فرمایئے۔ فقہائے کرام اگر ثبوت نسب کے معاملے میں وہ رویہ اختیار کرتے ہیں جس کو ان کے خلاف بطور پروپیگنڈہ استعمال کیا جارہا ہے تو وہ غلط کار ہیں یا غلط کار پروپیگنڈہ کرنے والے خود ہیں۔

اسلام ایک سراپا حکمتِ دین ہے جو بچے زنا سے پیدا ہوں وہ بجائے خود بہرحال معصوم ہی ہوتے ہیں۔ لہذا اسلامی قانون انتہائی کوشش کرتا ہے کہ مجہول النسب ہوکر نہ رہ جائیں انھیں وراثت سے محروم نہ کر دیا جائے۔ دیکھ ہی لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی حیثیت میں لڑکے کو ولدالزنا ہی خیال فرما رہے ہیں لیکن اس خیال کیلئے چونکہ شرعی معیار کی دلیل قطعی موجود نہیں اس لئے قانونی فیصلہ اپنے خیال کے مطابق نہیں کرتے بلکہ لڑکے کو ثابت النسب قرار دیتے ہیں۔ ثبوتِ نسب دراصل دو اور شرعی قانون سے مربوط ہے۔ قانونِ وراثت اور قانون ولایت۔ کسی بچے کو حرامی قرار دینے کا مطلب صرف یہی نہیں کہ معاشرے میں اُسے ذلیل کر دیا گیا، بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کے وہ حقوق متأثر ہوگئے جو ان دونوں قانونوں کی رو سے اُسے مل سکتے تھے۔ یہ متأثر ہونا اسی صورت میں منصفانہ کہا جا سکتا ہے جب کہ حرامی ہونا بھی قانون ہی کی سطح پر ثابت ہوگیا ہو۔

اب رہا "کرامت" والا ٹکڑا۔ تو اس کی معنویت سمجھنے کیلئے بھی نکتہ سنج ذہن کی ضرورت ہے اس مغالطے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ اسلامی قانون میں کسی مقدمہ کا فیصلہ "کرامت" کی بنیاد پر بھی ہوا کرتا ہے جی نہیں۔ کرامت کو مقدمات میں حجت نہیں مانا جاسکتا لیکن خود فقہاء یہ کب کہہ رہے ہیں کہ کرامت کو حجت مانو۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اُسے ٹھنڈے دل ودماغ سے سمجھنے کی کوشش کیجئے وہ کہہ یہ رہے ہیں کہ جب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ اصول بیان فرمادیا کہ بچہ "فراش" کیلئے ہے۔ یعنی اس کے لئے جسے اس بچے کی ماں سے مباشرت علاقہ ہو تو جب تک باپ ہی اُسے حرامی قرار نہ دے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ محض قیاس اور منطق سے اسے مجہول النسب ٹھیرا دے۔ ٹھوس شرعی شہادتوں کے بغیر بچہ ثابت النسب مانا جائیگا

اور حلالی ہونے کے بعید سے بعید امکان واحتمال کو رد نہیں کیا جائیگا۔ آپ نے دیکھ ہی لیا کہ حضورؐ زمعہ کی لڑکی کو متنازعہ فیہ لڑکے سے پردے کا حکم دیتے ہیں۔ گویا اسے اس کا بھائی نہیں سمجھتے مگر اس کا نسبی رشتہ جوڑتے ہیں، زمعہ ہی سے۔ اس کا مطلب یہی تو ہے کہ جب عتبہ اور لڑکے کی ماں کا فعل زنا آئینی سطح پر ثابت نہیں ہوا تو اس احتمال کو پوری اہمیت دی جائے گی کہ لڑکا زمعہ ہی کے نطفے سے ہو۔ حالانکہ چہرے مہرے میں عتبہ کی اتنی زیادہ شباہت موجود تھی کہ خود حضورؐ کے وجدان نے اسے عتبہ کا نطفہ قرار دیدیا تھا مگر اللہ اکبر قانونی نزاکتوں کی رعایت اور گمان واحتمال کا لحاظ! کیا پھر بھی فقہاء یہ فیصلہ دینے میں قصوروار مانے جائیں گے کہ زنا کا قطعی ثبوت نہ پائے جانے کی صورت میں بچے کو قیاس و احتمال کی بنیاد پر ثابت النسب مانو۔

جو احتمالات ہم۔ زید وبکر کی مثال میں پیش کر آئے وہ بجائے خود اتنے کافی ہیں کہ کرامت کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں دیتی۔ لیکن مان لو کہ کسی دلیل سے ہمارے پیدا کردہ احتمالات کی بھی نفی ہو جائے تو "کرامت" بہرحال ایک امر ممکن ہے۔ محال نہیں۔ کیا کوئی متوازن ذہن کرامت کے وجود سے انکار کر سکتا ہے۔ کیا اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ "کرامت" برحق ہے کرامتوں یعنی خرق عادت واقعات کی داستانیں تو دنیا کے مہذب ممالک میں بھی بے شمار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان بزرگوں سے جو خرق عادت ظہور میں آئے وہ کرامت کہلائے۔ اور جوگی، سنیاسی، پادری وغیرہ سے ظہور میں آئے تو اس کا کچھ اور نام رکھیں۔ یہ بہرحال مسلّم ہے کہ کرامت کا وجود ضروری ہے

جب وجود مسلّم ہوا تو یہ امکان بہرحال موجود ہے کہ کوئی بزرگ زید کو لندن سے دہلی چٹکی بجاتے پہنچادیں اور پھر اسی سرعت سے واپس بھیجدیں۔ نیز یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ خود زید ایک زاہد و مرتاض شخص ہو اور اپنی ہی کرامت سے سال کی مسافت گھنٹے بھر میں قطع کرلے۔

ہنسنے کی بات نہیں سوال صرف امکان اور احتمال کا ہے اگر امریکہ کی آواز ہزاروں میل کے فاصلے ہزاروں میں کے فاصلے پر ریڈیو کا بٹن دباتے ہی پہنچ جاتی ہے تو وہ سارے واقعات احوال کیسے یکسر جھوٹے قرار دے جا سکتے ہیں۔ جن سے ثابت ہے کہ باطنی قوتوں کے کچھ اور ارتقائی مدارج چاہے کتنے ہی کم لوگوں کو نصیب ہوں مگر ہیں ممکنات ہی کی فہرست میں۔ بس اسی امکان کا سہارا لیکر فقہاء نے لکھا کہ ثبوت نسب کا اگر کوئی عقلی وظاہری قرینہ باقی ہی نہ رہ جائے

تو حضورؐ کے ارشاد الولد للفراش کے احترام اور حضورؐ کی روش کے اتباع میں ہم احتمالِ کرامت کو ثبوتِ نسب کا سہارا بنائیں گے۔ یہ بھی ہر صحیح الدماغ جانتا ہے کہ جس عورت کا شوہر بقید حیات ہو اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کو حلالی قرار دینے کے لئے کسی ثبوت و شہادت کی ضرورت نہیں وہ بلادلیل بلانزاع حلالی ہے۔ ثبوت و شہادت کی ضرورت تو حرامی ٹھہرانے کے لئے ہوتی ہے لہٰذا صاف معلوم ہو گیا کہ فقہاء نے کسی دعوے کو ثابت کرنے کیلئے "کرامت" کا سہارا نہیں لیا۔ بلکہ ایک ایسے الزام کو رد کرنے کیلئے لیا ہے جس کا محض احتمال اور امکان شک سے دور ہوجانا خود آئین شریعت نے طے کر دیا ہے۔ کرامت کتنا ہی کمزور سہارا سہی لیکن اس سہارے سے کمزور نہیں جس کی بنیاد پر حضورؐ نے متنازعہ لڑکے کو ثابت النسب مانا تھا۔ وہاں تو فی الحقیقت کوئی سہارا تھا ہی نہیں۔ حضورؐ خود اس یقین تک پہنچ گئے تھے کہ لڑکا زمعہ کا نہیں ہے اور زمعہ کی بیٹی کو اس سے پردہ کرنا چاہیئے تو پھر امر واقعہ کی حد تک ایسے کسی احتمال کا سوال ہی کہاں باقی رہ گیا تھا۔ جو حضورؐ کے یقین کو غلط قرار دے سکے۔ لیکن عقلاً یہ امکان باقی تھا کہ باوجود عتبہ کے ساتھ زنا کرنے کے یہ لونڈی اپنے مالک زمعہ ہی کی مباشرت سے ہوئی ہو اور لڑکے میں عتبہ کی شباہت ایک اتفاقی امر ہو یا اتفاقی نہ سہی عتبہ ہی کے نطفے کا کوئی کیمیاوی اثر عورت کے رحم میں اس انداز میں موجود رہا ہو کہ جب زمعہ کے نطفے نے حمل کی شکل اختیار کی تو اس وقت ضمنی طور پر یہ کیمیاوی اثر اس میں شامل ہو گیا۔

اگر معاملہ ثبوت نسب کا نہ ہوتا تو حضورؐ یقین کے آگے بھلا ان احتمالات کی کیا حقیقت تھی لیکن شفقت و انسانیت کے پیکر نے خود ہی اپنے فیصلے سے یہ واضح فرما دیا کہ خبردار کسی بچے کو کامل ثبوتِ شرعی کے بغیر مجہول النسب قرار نہ دینا اور ادنیٰ سے ادنیٰ تر احتمال و امکان کو بھی نظر انداز نہ کرنا۔ تو بتایئے فقہاء کا طرزِ فکر ثبوت نسب کے معاملہ میں لائق صد تحسین ہے یا مستحق مذمت ؟

جواب طویل ہو گیا لہٰذا باقی دو "نمونوں" پر ہم ان شاء اللہ اگلے ماہ بحث کریں گے۔ ویسے اہل انصاف نے اندازہ تو اسی ایک جواب سے کر لیا ہوگا کہ فقہاء کا دریائے بصیرت کتنا گہرا ہے اور معترض صاحبان کا کتنا پایاب !۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

تجلی مئی ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۲

ایک سوال کے جواب میں

مولانا عامر عثمانیؒ نے فرمایا

ہر شہر میں بہت سے ڈاکٹر اور حکیم ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب کے سب اچھے ہی نسخے
نید دوائیں لوگوں کو دیتے ہیں۔ کیا ہر عقل مند آدمی آپ کو یہی مشورہ نہ دیگا کہ کسی مرض
لہ کرنے پر جب آپ اپنے شہر کے کسی حکیم یا ڈاکٹر کا علاج شروع کردیں تو پھر پورے
اسی کے مشوروں پر عمل کریں۔ اسی کا تجویز کردہ نسخہ استعمال فرمائیں۔ اسی کے بتائے
ہ پرہیز اور غذا کو معمول بنائیں۔ یہ ہرگز مناسب نہ ہوگا کہ علاج تو آپ نے الف کا شروع
لیں جب جی چاہا کوئی دوا دوسرے طبیب سے بھی پوچھ کر استعمال کرلی اور جب جی چاہا
سرے طبیب سے بھی دریافت کرکے ایسی غذا کھا بیٹھے جسے الف نے منع کر رکھا تھا۔
ہوسکتا ہے بعض حالتوں میں ایک طبیب کا علاج کرتے ہوئے کسی اور طبیب کا مشورہ
ید پڑ جائے۔ لیکن عام طور پر اس کی افادیت کم اور نقصان زیادہ ہے کیونکہ ہر نسخے
ز میں کچھ اصول کارفرما ہوتے ہیں اور چند بنیادی اصولوں کو چھوڑ کر باقی تمام اصولوں
طبیب اپنا اپنا خاص ذہن اور اسلوب نظر رکھتا ہے۔
ٹھیک اسی طرح چاروں ائمہ کا معاملہ سمجھئے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ اسی طرح مستند
ں تعظیم ہے جس طرح شہر کے مختلف ڈاکٹر اور حکیم۔ لیکن بنیادی عقائد پر متفق ہونے
ود تفصیلی قانون کا خاکہ بنانے اور جزئیات کو ترتیب دینے میں ان میں سے ہر ایک
صوص علمی اصول، فکری خطوط، ذہنی اسالیب اور تفقہ کا انداز رکھتا ہے۔ آپ
س کے تو مختار ہیں کہ کسی تحقیق و تفکر کے بعد ان میں سے کسی ایک کو اپنا راہ نما
ں۔ لیکن کسی ایک کو اپنا راہ نما مان لینے کے بعد یہ نہایت غیر معقول طریقہ ہوگا کہ جب
چاہے اپنے راہ نما کی رائے کو نظر انداز کرکے دوسرے راہ نما کی رائے پر چل کھڑے
فہار کا فروعی اختلاف دراصل اصولی اختلاف کا ثمرہ ہوا کرتا ہے۔ جب آپ ہومیوپیتھک

علاج کر رہے ہوں تو یہ ہرگز مناسب نہ ہوگا کہ ساتھ ساتھ یونانی دوائیں بھی من مانے طور پر استعمال کرتے رہیں۔ ان دونوں طریق علاج کے درمیان اصول کا فرق ہے۔ اور اسی فرق کی وجہ سے تمام فروعات میں فرق ہوتا چلا گیا ہے۔ ایک اناڑی نہیں جان سکتا کہ کونسی دوا کس وقت کیا اثر کرے گی۔ اسی طرح ایک عام آدمی نہیں سمجھ سکتا کہ فلاں امام کا فلاں فیصلہ اصول پر مبنی ہے اور اس پر عمل کرنے سے دوسرے امام کے کس اصول سے سرتابی لازم آتی ہے۔

جہاں تک علاج جسمانی کا تعلق ہے آپ شوق سے من مانی دوائیں کھائیں اور کئی کئی حکیموں کے مشوروں پر چلیں۔ شریعت اس پر آپ کو نہیں ٹوکے گی کیونکہ اس کا اصل موضوع اور نشانہ آدمی کی روحانی و قلبی صحت ہے۔ نہ کہ جسمانی۔ لیکن جب آپ احکام شرعی کی تعمیل میں خودرائی اور بدنظمی برتیں گے تو وہ ضرور ٹوکے گی۔ کیونکہ روحانی و قلبی صحت کا فلسفہ آپ نہیں سمجھتے شریعت سمجھتی ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ آپ کے منہ سے بلاارادہ بس روانی میں جھوٹی قسم نکل جائے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ لیکن قصداً جھوٹی قسم کھائیں گے تو گناہ گار بھی ہوں گے اور کفارہ بھی دینا پڑے گا۔ آپ جان بوجھ کر ظہر کی دوسری رکعت میں التحیات کے لئے نہ بیٹھیں تو نماز ہرگز نہیں ہوگی۔ لیکن بھولے سے ایسا ہوجائے تو فقط سجدۂ سہو سے اس کی تلافی ہوجائے گی۔

اسی پر ائمہ کی تقلید کو قیاس کیجئے۔ آپ اگر نیک نیت ہیں اور شریعت کی ٹھیک ٹھیک پابندی کا ارادہ رکھتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جس عالمِ دین کو آپ نے بہترین فقیہ مان کر اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے اسے اکثر معاملوں میں تو قابلِ اعتماد سمجھیں مگر بعض مسائل میں اس کی رائے کو چھوڑ کر دوسرے فقہاء کی طرف بھاگیں۔ یہ فساد نیت کی خرابی کا مظہر ہے۔ ایسا شخص حقیقتاً دین کی پیروی ڈھنگ سے کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنے نفس کی حتی الوسع رعایت چاہتا ہے۔ اس کے نفس پر کسی خاص مسئلے میں اپنے منتخبہ امام کی رائے تو فوراً کسی اور فقیہ کی طرف بھاگا۔ اور یہ جانے بغیر کہ اس دوسرے فقیہ کی رائے کس اصول پر مبنی ہے اسی کی رائے اختیار کر بیٹھے گا

ایک اور طرح سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ مجتہد اگر رائے میں غلطی کرے تب بھی اسے ایک ثواب ملتا ہے۔ اجتہاد کا ثواب ۔ حالانکہ اس نے غلط رائے قائم کی مگر چونکہ اس نے اپنے امکان بھر نیک نیتی کے ساتھ غور و فکر کیا تھا اس لئے اس کا بدل ملا۔ اب اگر کوئی

شخص جان بوجھ کر غلط رائے پیش کرے یا رائے قائم کرنے کے لیے جن ضروری شرائط کا پایا
جانا لازم ہے۔ ان سے متصف ہوئے بغیر رائے زنی کرتا پھرے تو اُسے ثواب نہیں مل سکتا بلکہ
سزا ملے گی۔ کیونکہ وہ نیک نیت نہیں ہے۔ اسی طرح جو لوگ خود اجتہاد کی قابلیت نہیں رکھتے
انھیں پورے صبر اور نیازمندی کے ساتھ کسی ایک امام فقہ کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اگر وہ
ایسا نہیں کرتے تو ثابت ہوگا کہ ان کی نیت درست نہیں۔ وہ پھولوں کی سیج پر تو پیروی کے
قائل ہیں مگر کانٹوں کے بستر پر قدم رکھنا نہیں چاہتے۔

یہ قرآن وسنّت اور عقلِ سلیم کے خلاف جانا نہیں ہوا تو اور کیا ہوا کہ آج تو ایک شخص
کو آپنے اپنا معتمد، محترم اور قابل وفائق سمجھ لیا کہ دینی مسائل میں اس کی رائے اور فیصلے کو قرآن
وسنّت کے مطابق جاننے لگے۔ لیکن کل جب کسی معاملے میں اس شخص کی رائے اور فیصلے کو قرآن
وسنت کے مطابق جاننے لگے۔ لیکن کل جب کسی معاملے میں اس شخص کی رائے آپ کے نفس پر
بارگذرتی ہے آپ کو کسی نوع کی مشقت پہنچتی ہے تو کھٹ سے یہ اعتماد ختم ہوجاتا ہے اور
محض اس لیے دوسرے کسی فقیہ کی طرف دوڑ جاتے ہیں کہ آپ مشقت سے چھوٹ جائیں گے اسے
ہوائے نفس کے پیچھے دوڑنا کہتے ہیں جسے اللہ اور رسولؐ نے صریحاً گناہ قرار دیا ہے

ہاں جو لوگ خود کافی علم رکھتے ہوں اور اجتہاد وتفقہ کے لائق بھی پایا ہو وہ اگر علم و
تفقہ کی روشنی میں یہ محسوس کرنے لگیں کہ فلاں مسئلہ میں ان کے امام کی رائے کمزور ہے اور
فلاں امام کی رائے قوی ہے تو بے شک انھیں نفس پرست نہیں کہا جاسکتا چاہے ان کا یہ احساس
حقیقتہً غلط ہی ہو اصل چیز نیت ہے عوام الناس کو اگر بے تقلیدی کی اجازت دیدی جائے تو
دین کا حلیہ بگڑ کر رہ جائے گا۔

رہا یہ تعریضی فقرہ کہ "کیا ہر گاؤں اور محلّہ کی مسجد میں نماز کی جمعہ پڑھنے والے بھی گناہگار
ہیں"، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تقلید کے مسئلے سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ آپ کسی بھی مسجد میں
شریک جمعہ ہو جائیے۔ حتیٰ کہ امام چاہے شافعی ہو چاہے حنبلی چاہے مالکی۔ آپ بشوق اسکے
پیچھے جمعہ بھی اور دوسری نمازیں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کرنا بس اس قدر ہوگا کہ جن افعال میں ائمہ
کے درمیان اختلاف ہے ان میں اپنے امام کی رائے پر چلیئے۔ مثلاً شافعی امام اگر رکوع کے
بعد سجدے میں جاتے ہوئے رفع یدین کرتا ہے (کانوں تک ہاتھ اٹھاتا ہے) تو آپ اسکی
تقلید مت کیجیئے۔ نماز اس کی بھی ہوگی اور آپ کی بھی کسی قسم کا نقص واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ نہ

رفع یدین کوئی گناہ ہے نہ امام شافعی کی پیروی ممنوع۔ ہاں جو شخص مسلکاً تو حنفی ہو مگر شوافع کی دیکھا دیکھی رفع یدین شروع کر دے۔ وہ گناہ گار ہوگا کیونکہ اس کا یہ فعل جہالت اور ذہنی سرکشی پر مبنی قرار پائے گا۔ گناہ نیت کی خرابی اور غلط قسم کی خود رائی پر لازم آتا ہے۔ نہ کہ رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ پر۔ ایک شافعی مسلک کا عام مسلمان اگر احناف کی مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے ازراہِ مرعوبیت رفع یدین ترک کر دے تو اس کی ہم تعریف نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس نے ہمارا ساتھ دیکر اپنے امام کی رائے سے سرکشی کی، اس نے بزدلی دکھلائی اور دین کے معاملہ میں مرعوبیت کا شکار ہوا۔

تجلی جون [illegible] صفحہ ۲۱

ناجائز اور غیر شرعی معموں سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے

شریعت کے دائروں میں رہتے ہوئے

ایک فکری، علمی، اور دماغی پروگرام

کمیں

اس سلسلہ میں

تمام قارئین کی رائے کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ اگر قارئین نے اس سلسلہ کو پسند نہ کیا تو اسے بند بھی کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا تمام قارئین اپنی بے لاگ رائے سے مطلع کریں۔

منیجر:- **تجلی دیوبند** (یوپی)

تعلیمی مشغلہ

انعام کی تفصیل ص ۴۶ پر ملاحظہ فرمایئے

(۱) قارئین کی دلچسپی کے لئے تعلیمی مشغلہ کا پروگرام شروع کیا جارہا ہے اس مشغلہ میں تجلی کا ہر خریدار خریداری نمبر کا حوالہ دیکر حصہ لے سکتا ہے اس پروگرام میں حصہ لیکر اپنی قوتِ مطالعہ، دماغی استعداد اور ذہنی پرواز کی جانچ کیجئے۔

آجکل عام طور پر لوگ غیر شرعی معموں میں الجھے ہوئے ہیں ان کے ذہن کو ایک جائز قسم کی ذہنی تفریح کی طرف کھینچنے کیلئے یہ سلسلہ انشاء اللہ مفید اور موثر ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ حالات اور زمانہ کی موجودہ روش نے یہ بات بڑی حد تک ثابت کر دی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو اجاگر کرنے اور عوام الناس کو سٹے اور لاٹری بازی سے روکنے کے لئے جائز حدوں میں کچھ متبادل قسم کے مشاغل ضرور سامنے لانے ہوں گے۔ ہمارے ماحول نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ عوام کی ایک بڑی جماعت ذہنی تفریح کی غرض سے معموں میں دلچسپی لیا کرتی ہے۔ حصول انعام اس کا اصل مقصد نہیں ہے اسی حقیقت کے پیش نظر عرصہ دراز سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ جائز حدوں میں کوئی ایسا پروگرام سامنے لایا جائے جو لاٹری اور سٹے کا متبادل ہو سکے۔ ضرورت اور تکرار کے باوجود کوئی پہل کرنے کو تیار نہ تھا۔ اب تجلی اس بارے میں پیش قدمی کی جرأت کر رہا ہے۔ ابھی انعام برائے نام ہے اگر قارئین نے اس پروگرام میں دلچسپی لی تو انعام کی مقدار میں دس بیس گنا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے چونکہ اس پروگرام کو جائز حدوں میں محدود رکھنا ہے اور روایتی معموں کی قباحتوں سے بچانا ہے اس لئے فیس متعین نہیں کی گئی ہے۔ اس پروگرام میں حصہ لینے کیلئے بس تجلی کا سالانہ خریدار ہونا ضروری ہے۔

نوٹ:- خاکے اپنے قلم سے بناکر بھر لیجئے۔ حل صاف ستھرے الفاظ میں موصول ہوں۔ اشارے ہمیشہ اسلامی اور دینی کتابوں سے ماخوذ ہوں گے لہذا انعام کا حقدار ہونے کیلئے دینی اور اسلامی کتابوں کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ کیجئے، فی الحال یہ پروگرام دو ماہی رہے گا یعنی تجلی کے ایک شمارہ میں آیا کرے گا دوسرے میں نہیں۔ انعام پانے والے حضرات کے نام تجلی میں چھاپے جائیں گے

یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ ایک خریدار ایک بار ایک ہی حل بھیجنے کا مجاز ہوگا۔

انعام کی رقم ادارہ تجلی اپنی جیب سے ادا کرے گا جو انعام پانے والے حضرات کے لئے قطعی طور پر جائز ہوگی۔

(منیجر تجلی دیوبند)

تعلیمی مشغلہ ۱

اشارے دائیں سے بائیں:-

(۱) قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے ...... کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں۔

(۲) اور انھوں نے مدینہ والوں سے کہا کہ محمد میرا ...... ہے۔

(۳) لیکن آج اخبار و رسالات اس لئے بہم پہنچائے جاتے ہیں کہ کسی کا عیب معلوم ہو تو اس کو ...... کر کے شائع کیا جائے۔

(۴) خدا کے بندوں کی اور اپنے نفس وغیرہ کی حق تلفی گناہ ...... ہے

(۵) مدینہ آکر جب مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا اور مذہب ...... آزادی ملی تو ظہر، عصر، عشاء کی چار چار رکعتیں پوری کی گئیں۔

(۶) قرآن کا پیغام دائمی اور ...... ہے

(۷) خندق کی کھدائی کے دوران صحابہ کا رجز اشعار ...... تھے اور بیس سے زیادہ تاریخ نے محفوظ کئے ہیں۔

(۸) اتنا دبلا اور مریل جانور کہ جس کی ہڈیوں میں بالکل ...... نہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

(۹) بحیثیت ایک مرد سیاسی کے مولانا ...... کی ہمت و جرأت کا ہندوستان بھر میں شہرہ ہے۔

(۱۰) ہم جب کسی شخص کو اپنا قابلِ اعتماد دوست بناتے ہیں تو پہلے برسوں اسکو جانتے اور ...... ہیں

(۱۱) غضب ہے اب تو مسجدوں کو بھی دلہن بنایا جاتا ہے ٹائل لگاتے ہیں اعلیٰ درجہ کے رنگ و روغن کرتے ہیں یہ سب فضول خرچی میں ...... ہے

(۱۲) جو لوگ اپنی ...... سے خدا کو نہیں مانتے جب وہ کسی آفت میں پھنس جاتے ہیں تو خدا کا سہارا پکڑتے ہیں۔

(۱۳) رشوت کا کاروبار زیادہ تر قانون ...... کی وجہ سے فروغ پا رہا ہے۔

انعام کی تفصیلات

تجلی تعلیمی مشغلہ نمبر ۱ میں چھ سو روپے کی علمی، ادبی اور دینی کتابیں اور پانچسو روپے کے نقد انعامات تقسیم کئے جائیں گے۔

پہلا انعام بالکل درست حل پر تین سو روپے کی کتابیں اور تین سو روپے نقد دیئے جائیں گے۔

دوسرا انعام ایک غلطی والے حل پر دو سو روپے کی کتابیں اور دو سو روپے نقد دیئے جائیں گے

تیسرا انعام دو غلطی والے حل پر سو روپے کی کتابیں دی جائیں گی۔

انعام پانیوالے حضرات کے نام انعامات کی تفصیل کے ساتھ اپریل ۶۲ء کے تجلی میں شائع کیے جائیں گے۔ حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ مارچ ۶۲ء ہے

دستی اور ڈاک سے حل بھیجنے کا پتہ

تجلی تعلیمی مشغلہ نمبر ۱ دفتر تجلی دیوبند (یو پی)

ہماری مطبوعات اور مشتمل مطبوعات

آرڈر روانہ کرتے وقت دس روپے ایڈوانس روانہ فرمائیں ورنہ آرڈر کی تعمیل نہ ہوگی۔ یہ آپ کے بل میں سے وضع کر دیئے جائیں گے۔ تجلی کے سالانہ خریدار اس شرط سے مستثنیٰ ہیں　　(منیجر مکتبہ تجلی دیوبند)

کتاب	قیمت
اسلام اور کفر کی حقیقت	۱۱/۰
آداب زیارتِ قبور	۱/۲۰
اسلامی نظام ہی کیوں؟	۱/۲۰
اسلامی خطوط نویسی	۲/۰
اپنی اصلاح آپ	۱/۲۵
آخرت سے غفلت کیوں؟	۷/۵۰
بدعت کیا ہے؟	۱۲/۵۰
بریلی کا نیا دین	۷/۰
تلاشِ راہ حق	۷/۰
تقلید کیا ہے	۱/۵۰
تحریک وہابیت پر ایک نظر	۱/۲۰
تنبیہ الغافلین	۱/۵۰
تفسیر سورۂ نور	۱۰/۰
جواب آں غزل	۹/۰
رموز کائنات	(زیر طبع)
سیرت کی انوکھی کتاب	(" ")
شہدائے بدر	۱/۵۰
شرک و بدعت کے چور دروازے	۷/۵۰
فتوح الغیب	۱۰/۰
فتاویٰ زندیقیہ	(زیر طبع)
کتاب اللہ کے مسائل و فضائل	(" ")
کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟	۰/۶۰
کمیونزم یا اسلام	۱/۵۰
کیا ہم مسلمان ہیں؟ اول	۸/۵۰
کیا ہم مسلمان ہیں؟ دوم	۱۰/۵۰
کیا ہم مسلمان ہیں؟ سوم	۱۱/۰
" " " چہارم	(زیر طبع)
قرآن اور حدیث	۶/۵۰
مقام صحابہ	۳/۰
مسجد سے میخانے تک اول	۱۶/۰
" " " دوم	۱۴/۰
" " " سوم	(زیر طبع)
مولانا مودودی سے ملئے	۲۰/۰
مولانا مودودی اور تصوف	۷/۰
وجد و سماع	۳/۰

دیگر کتب خانوں کی مطبوعات

انعام ربانی	۲/۰
اسلامی نظم ونسق	۸/۰
ایک منزل کئی قافلے	۵/۰
ایمان وآزمائش	۰۰/۷۵
النبی الخاتم	۱۲/۰
اعمالِ قرآنی	۴/۰
احوال واقوال بزرگان	۱۵/۰
اصولِ تبلیغ	۳/۰
انکشاف	۴۰/۰
انفاسِ عیسیٰ	۴۵/۰
اشرف الجواب مکمل	۳۰/۰
احسن المواعظ	۱۲/۰
اشرف المواعظ	۱۱/۰
افضل المواعظ	۱۱/۰
اکرم المواعظ	۸/۰
الشہاب الثاقب	۸/۴۰
اسمائے حسنیٰ کی برکات	۱۰/۰
اعمال قرآنی مکمل	۹/۰
اردو کی مثنویاں	۱۰/۰
ایشیا میں آخری نوآبادیاں	۱۰/۰
الکمال	۵/۰
افاضات سورہ یٰسین	۲/۰

آدمی کتاب	۳/۰
آئینۂ سنت	۲/۰
احیاء العلوم فی قسط	۱۰/۰
اقبال کے ممدوح علماء	۱۰/۰
اکبر اعظم کے نورتن	۳/۰
انمول باتیں	۶/۰
بدعت کی باتیں	۲۲/۰
بلاغ المبین	۱۰/۵۰
بانگ درا	۱۰/۰
بالِ جبریل	۸/۰
پریشانیوں کا شرعی علاج	۶/۰
تبلیغی بہشتی زیور	۲۵/۰
بازارِ رشوت	۶/۰
اختری بہشتی زیور	۵۰/۰
تفسیر ابن کثیر مجلد	۲۸۰/۰
تفسیر حقانی مجلد	۲۷۰/۰
تفسیر ابن عباس مکمل	۱۵۰/۰
تفہیم البخاری مجلد	۲۸۰/۰
تاریخ قربانی	۱/۸۰
تاریخ اسلام مکمل	۱۰۵/۰
توضیح البیان	۲/۵۰

تلبیس ابلیس	۳۶/۰
تعبیر الرؤیا و	۱۲/۰
تعلیم ہدایت	۶/۰
تاریخ ادب اردو	۶/۰
تاریخ ابن خلدون فی جزء	۱۲/۰
جواہر الفقہ مکمل	۵۱/۰
جنت اور دوزخ	۳/۵۰
جہانگیر	۲/۵۰
جواہر خمسہ	۲۱/۰
جزاء الاعمال	۲/۵۰
جہاد در اسلام	۳/۰
جادو کیا ہے؟	۴/۰
جنگ نامہ حضرت علی	۲/۰
حقیقتِ نماز	۶/۰
حیاتِ جاوید	۲۵/۰
حکایاتِ لطیف	۱/۷۵
جبرۃ الفقہ	۱/۸۰
حصن حصین	۳۵/۰
حیات امام ابوحنیفہ	۴۰/۰
حسین ویزید	۱/۵۰

کتاب	قیمت
خواجہ غریب نواز	۶/۰
خالد بن ولید	۴/۵۰
خصائل نبویؐ	۲/۷۵
داستان حضرت ابراہیمؑ	۵/۰
دنیا کی پہلی مسلمان عورت	۱/۰
دامانِ باغبان	۱۰/۰
دس ولی	۲۰/۰
ردِ بدعت	۴/۰
سچا وعدہ	۶/۰
سرسید اور ان کے رفقاء	۲۵/۰
سلطان ٹیپو	۲/۵۰
سو بڑے آدمی	۱۰/۵۰
سیرت نبوی کے تمدنی اثرات	۱/۰
سنتِ رسول کی اہمیت	۱/۰
سید المرسلین مجلد	۱۳۶/۰
سید قطب شہیدؒ	۲/۰
سراب سے حقیقت تک	۳/۰
سکھ اور جنگِ آزادی	۴/۵۰
شیخ شہاب الدین	۲/۰
شمائل ترمذی	۲۰/۰
شب ستا (?)	۷/۰
شہادت امام حسین	۰/۰۵
شیطان کا فریب	۱/۲۵
شانِ رسالت	۵/۰
صہبائے خیال	۶/۰
صحیفۂ ادب	۶/۰
صنوبر کا شہر	۵/۰
ضمان الفردوس	۳/۰
ضیاء الفرائض	۱۰/۰
طلاق کیا ہے؟	۶/۰
علم دین کیا اور کیوں؟	۲/۲۵
عہدِ نبوی کے میدان جنگ	۷/۷۵
فلاحِ ملت	۶/۰
فرقہ وارانہ فسادات	۲/۲۵
فلسفہ کیا ہے	۵/۰
قرآن کی بنیادی تعلیم	۱۰/۰
میراثن سے عبد الولی تک	۲۰/۰
متاعِ نور	۱۰/۰
مقاماتِ اقبالؒ	۲۰/۰
مسند ابوبکر صدیقؓ	۴۵/۰
مہتمم صاحب کی دو تقریریں	۲/۰
مومن اور مطالعۂ مومن	۴۰/۰
منتخب افسانے	۸/۰
ورق ورق روشن	۴۰/۰
ہمارا دین حق	۶/۰
ہمارے اسلاف	۶/۰

ملنے کا پتہ :- مکتبہ تجلی، دیوبند (یوپی)

درسی کتابوں کے تراجم و شروحات

کتاب	قیمت
احسن المسائل اردو ترجمہ کنز الدقائق	۲۰/-
اسعاد النحو اردو ” شرح نحو میر	۶/-
اشراق نوری اردو ” قدوری	۱۵/-
اشرف الصیغہ ” شرح علم الصیغہ	۱۵/-
الافاضات شرح مقامات	۴۶/-
الصبح النوری اردو شرح قدوری	۵۴/-
انوار العلوم شرح سلم العلوم	۱۵/-
ایضاح المطالب شرح کافیہ	۱۵/-
بدر منیر شرح نحو میر	۱۳/۵۰
تقریر الحاوی شرح بیضاوی	۴۵/-
تنظیم الاشتات ” مشکوٰۃ	۵۶/-
تنویر الحواشی ” سراجی	۱۲
سراج العقائد اردو شرح عقائد	۳۱/-
سراج الطالبین اردو مفید الطالبین	۵/۴
سراج الوقایہ اردو شرح وقایہ	۶۹/-
عزیز الطالبین ترجمہ پنج گنج	۴/۵۰
عزیز المبتدی ” میزان الصرف	۲/۵۰
فیوض عثمانی اردو فصول اکبری	۱۸/-
مصباح التہذیب اردو شرح تہذیب	۱۸/-
مصباح العوامل اردو شرح مائۃ عامل	۱۲/-
مصباح المعانی اردو شرح جامی	۴۷/-
مصباح النحو اردو ہدایۃ النحو	۲۴/-
نور الاصباح اردو نور الایضاح	۶/-
نیل الامانی شرح اردو مختصر المعانی	۷۲/-

قرآن پاک

کتاب	قیمت
قرآنِ پاک عکسی ؏۳	۲۵/-
” ” حافظی ؏۱۲۶	۲۰/-
قرآن پاک مترجم ؏۱۸ ترجمہ مولانا تھانویؒ	۳۰/-
قرآن مترجم ترجمہ شیخ الہندؒ	۴۰/-

تجلی

حضرت مولانا عامر عثمانیؒ کی وفات کے بعد تجلی کا
باقی نہیں رہ سکا ہے جو ماضی میں تھا اور جسکی دھوم برِ صغی
گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ مجبوریوں کی وجہ سے تجلی پر
پابندی کے ساتھ شائع نہ ہو سکا اس وجہ سے اس کے بہ
پروانے اس سے رشتہ توڑنے پر مجبور ہو گئے۔ نیز ادار
کو بعض اوقات ناقابلِ تلافی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ او
اقتصادی حالت کمزور سے کمزور ہوتی چلی گئی۔ لیکن اللہ کا
ہے کہ تجلی کی ایک مخصوص صفت جو اسکی پیدائش کے پہلے
دن سے اس کی ذات کا جزو رہی ہے۔ وہ جوں کے تو
تجلی مختلف قسم کی مشکلات کا شکار ہوتا رہا۔ لیکن اسکی جڑ
پامال نہ ہو سکیں۔

وہ آج بھی حسبِ سابق باطل اور شیطانی قوتوں سے تن تنہا
کا حوصلہ رکھتا ہے۔ دارالعلوم کا مسئلہ ہو یا مسلم پرسنل لا کا۔ خاندا
منصوبہ بندی کا ہو یا مسلم فسادات کا وہ ہر موضوع پر بے لاگ اظہارِ خیا
کا عادی ہے۔ تجلی نے کبھی کسی صیاد کو صیاد کہتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ ا
انجام کیا ہوگا۔ تجلی کے بانی حضرت مولانا عامر عثمانیؒ حق پرستی کی پاداش
میں دو بار گرفتار کیے گئے۔ اور موجودہ مدیر کو بھی سچائی کی خاط
گیارہ دن جیل کی کوٹھری میں بند رہنا پڑا ۔۔۔ مگر مالکِ حقیق
کا فضل و کرم ہے کہ تجلی کے قدم حق پرستی کی ڈگر سے ڈانواڈول
نہ ہو سکے۔ تجلی میں جب سے دارالعلوم دیوبند کے جھگڑے پر اظ
خیال چل رہا ہے۔ مدیر تجلی کو خطوط کے ذریعہ برابر قتل کی دھمکیا
دی جا رہی ہیں۔ جمعیۃ العلماء کے بزرگوں نے دفتر تجلی کو نذرِ
آتش کر دینے کی دھونس بھی دی ہے۔ لیکن اربابِ تجلی نے
فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے قارئین کو [illegible]
حال سے آگاہ کرتے رہیں گے۔ اور ہمیشہ بانیٔ تجلی مولانا عامر
عثمانیؒ کے اس شعر کو حرزِ جاں بنائے رکھیں گے ؎

میری نظر میں وہی سر ہے سر جسے عامر
زمانہ کاٹ تو ڈالے مگر جھکا نہ سکے
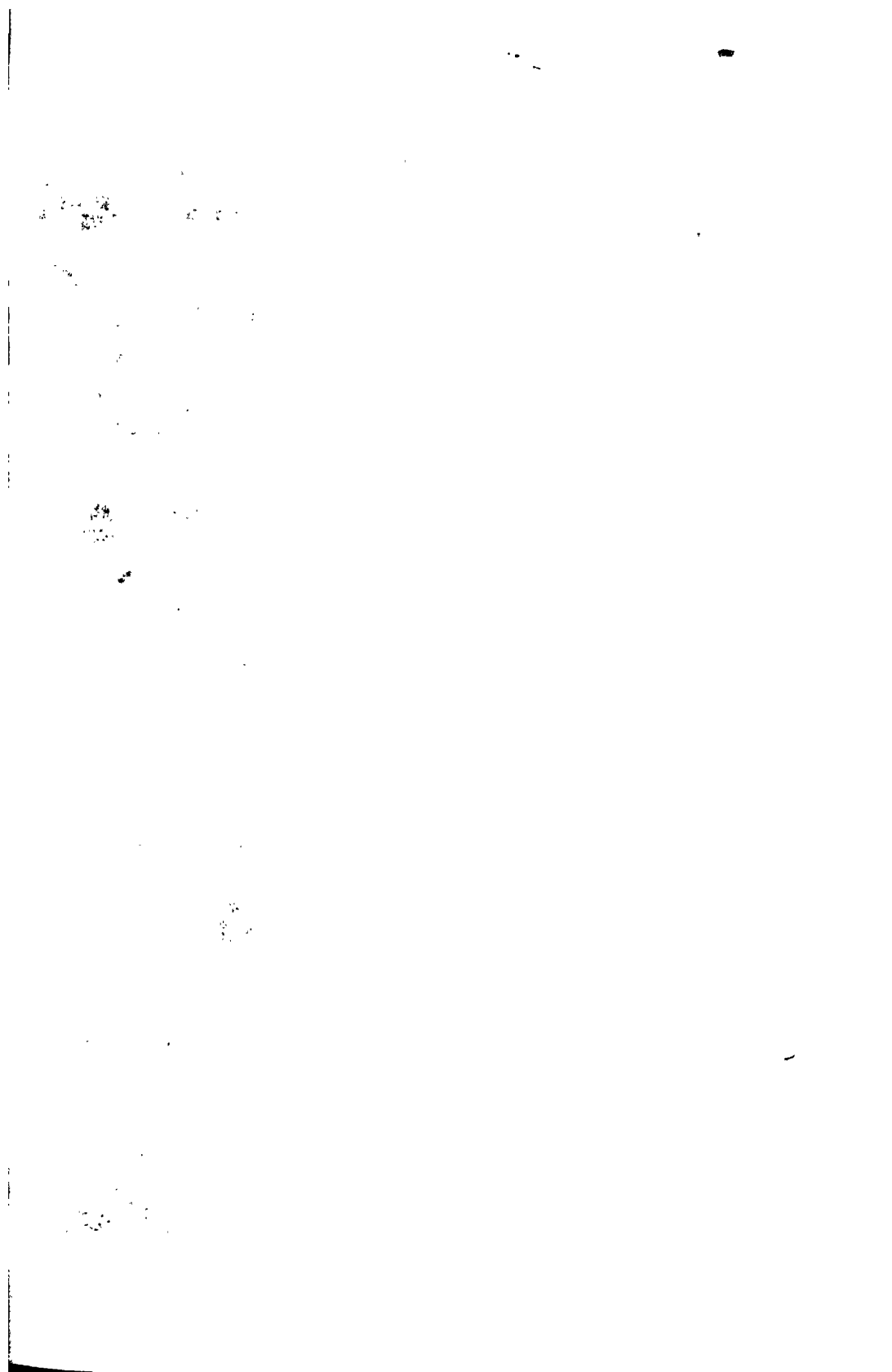
ایڈیٹر: حسن احمد صدیقی

ماہ اگست و ستمبر ۱۹۸۲ء مطابق شوال و ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

ایڈیٹر
مولانا حسن احمد صدیقی

منیجر
ابوسفیان عثمانی

بدل اشتراک
سالانہ چندہ
چوبیس روپے ۲۴/-
ششماہی
بارہ روپے ۱۲/-
پاکستان نیورس
ایکسال کے لئے
۴۰/- روپے
فی شمارہ :- 2/25

دفتر تجلی دیوبند
ضلع سہارنپور (یوپی)

فہرست مضامین

صفحہ	صاحب مضمون	مضمون

ا ... ادبی پرنٹنگ پریس دیوبند

حسن احمد صدیقی

کیا اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے؟

دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ سے معذرت کے ساتھ

"تاریخِ عالم" نامی ایک کتاب میں جو حکومت کے زیرِ اثر رہنے والے ایک محکمہ (این سی آئی) کی طرف سے شائع ہوئی ہے یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ نے مکہ سے مدینہ منورہ تک تلوار کے ذریعہ پھیلایا۔ یہ انکشاف جو قطعی طور پر الزام و اتہام پر مبنی ہے پہلی بار نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس سے پہلے بھی اسلام کے دشمنوں نے مختلف انداز و بیان کیا تھا یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کو تلوار کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے ۔۔۔ مذہب اسلام کو جتنا نقصان مسلمانوں نے اور بالخصوص ان لوگوں نے پہنچایا ہے جو دین کے ٹھیکیدار سمجھے جاتے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی کفار و منافقین نہیں پہنچا سکے ۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے ممبران میں ایک سے ایک بڑا متقی پڑا ہوا ہے اور بقول خود ان ہی کے کہ ہم جیسے لوگ تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہیں ہو سکتے۔ مجلسِ شوریٰ میں کوئی عاجز محض ہے، کوئی انسانیت کا علمبردار، کوئی قاضی ہے کوئی بزرگ۔ مجلسِ شوریٰ کا ہر ممبر اپنی عمدگی اور برتری پر فاخر و نازاں ہے اور قوم کے افراد بھی عام طور پر انہیں حاملِ اسلام سمجھتے ہیں، لیکن ان بزرگوں نے دارالعلوم دیوبند پر بندوقوں اور ڈنڈوں کے ذریعہ قبضہ کرکے اس پروپیگنڈہ میں روح ڈال دی ہے کہ اسلام طاقت اور زور زبردستی کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے ۔۔۔ آج ہم ہندوؤں کو کیا منہ دکھائیں؟۔ مخالفینِ اسلام کو کیا جواب دیں؟ منافقین کے اعتراضات سے کیسے پیچھا چھڑائیں؟۔ دارالعلوم پر جس طرح قبضہ ہوا ہے اس سے ہماری پوری اسلامی تاریخ مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ آج اسلام کے دشمن سینہ تان کر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ لاٹھیوں چھروں اور تلواروں سے مسائل حل کئے ہیں اور اس کی زندہ مثال ۲۳ مارچ کی رات میں دارالعلوم دیوبند پر مارا جانیوالا شب خون ہے۔ ہمارے بزرگوں نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ جب آدمی دلیل کی دنیا میں مار کھا جانے کا خطرہ محسوس کرے تو بلم اور رائفل لیکر کھڑا ہوجائے اس لئے کہ طاقت، بلم اور چوری و سینہ زوری سے زیادہ ٹھوس حقیقت آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہو سکی ہے ۔۔۔ دارالعلوم دیوبند کو طاقت کے ذریعہ قبضا کر اور غنڈہ گردی کی پشت پناہی کرکے ہمارے بزرگوں نے جو شاندار روایت قائم کی ہے یہ ان لوگوں کیلئے "مژدۂ جانفزا" ثابت ہوگی جو عرصۂ دراز سے بغیر دلیل کے یہ ثابت کر رہے تھے کہ اسلام کو تلوار اور طاقت کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے۔ مخالفینِ اسلام جس دلیل کو تاریخِ اسلام کے صفحوں میں تلاش کرتے کرتے تھک گئے تھے وہ دلیل ان بزرگوں کے دامنِ عمل سے دستیاب ہوگئی جو اسلام کے خیر خواہ تصور کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اسلام کے حق میں اس بندر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے جو اپنے مالک کو ستانے والی مکھیوں سے انتقام لینے کیلئے اپنے مالک کو ہی سنگسار کر دیتا ہے • • •

فکر سے باطنی تربیت و اصلاح بھی ہوتی ہے اور جب اصلاح ہوتی ہے تو اچھے اچھے جذبات خود بخود ابھر آتے ہیں۔ اگر ایک رذیلہ زائل ہوتا ہے تو دو حسنات اس کے مقابل آجاتے ہیں ایک حسنہ پر عمل ہوتا ہے تو دو رذائل دب جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔

نفس کیا چیز ہے اور شیطان کیا چیز ہے؟ جب ہم نے تمام کیا اپنی اصلاح کا، اور فکر کی کہ ہم سے رذائل دور ہوں۔ تب نظر جاتی ہے کہ رذیلے کہاں پیدا ہوتے ہیں، کہاں نفس کی شرارت ابھرتی ہے کہاں شیطان اغوا کرتا ہے۔ اب جب مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نفس کی شرارت ہے، شیطان نے مجھے پریشان کیا ہے، اس نے وسوسے ڈالے ہیں، ترغیب دی ہے تو اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں اللہ سے دعا مانگتا ہوں پناہ مانگتا ہوں۔ یہ ہے ترکیب اصلاح باطن کی، اس باطن کی اصلاح ہوتی ہے ——— ایک ایک چیز پر ٹھہر جائیے اور دیکھتے جائیے کہ یہ رذیلہ ہم میں کیوں ہے؟ یہ تو مجھے دنیا میں بھی رسوا کرنیوالی چیز ہے اور آخرت میں بھی خسران ہے، تو یا اللہ مجھے اس خسران سے بچا لیجئے، نہ دنیا میں ذلیل کیجئے نہ آخرت میں ذلیل کیجئے ——— پناہ مانگ لی، دعا کرلی، کام ہوگیا ———

اب تو یہ خیال از خود ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہیں ان کو ہر وقت حاضر و ناظر جان کر ہر برائی سے رک جاتا ہوں۔ جب یہ استحضار ہونے لگا اور جب ہم نے استحضار کرلیا کہ اَللّٰہُ حَاضِرِی، اَللّٰہُ نَاظِرِی، اَللّٰہُ مَعِیْ۔ اور وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ ——— جب استحضار ہوگیا تو دیدہ و دانستہ ہمت نہیں ہوگی، جسارت نہیں ہوگی کہ ہم کوئی برا کام کریں ——— اگر مغلوب ہو گئے۔ غافل ہو گئے رذیلہ کا کوئی تقاضا ہم سے صادر ہوگیا تو پھر ندامت ہوتی ہے، فوراً ——— ہمکو طلب ہے، ہمکو فکر ہے کہ ہم ناپاک نہ رہیں متنبہ ہو جاتا ہے اور تنبہ کے بعد ہم توجہ کر لیتے ہیں استغفار کر لیتے ہیں۔ پاک ہو جاتے ہیں ——— وہ سب دیکھ رہے ہے، ہماری

اری نالائق حرکتوں سے وہ خوب خوب واقف ہیں لہٰذا حیا، وشرم مانع بن جاتی ہے۔ اتباع
ت کا دلدادہ ہوں اور پھر ایسی حرکت کا صدور، شرم مانع ہوجاتی ہے ــ کہہ تو گیا یہ لفظ کہ
روشرم مانع ہوجاتی ہے، یہ نہیں معلوم ہوا کہ کون چیز مانع ہوگئی ــــــــ دراصل یہ تقاضا
بان" کا تھا حیا روشرم جزو ایمان ہے بلکہ جزو اعظم ہے ــــــــ ایک شعر ہے جس کا مصرعہ
صرف یاد ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ سے توبہ کی، استغفار کیا اور آپکا وعدہ ہے کہ آپ
معاف فرمادیں گے پھر بھی ع زین شرم کہ تو دیدی کہ چہ کردم چہ کنم ؟
یعنی کام کرتے ہوئے تو بہر حال آپ نے مجھے دیکھ لیا، اسکی ندامت نہیں جاتی۔ اسکا نام ہے "خشیت"
سے لغزش ہوئی ہے، کوتاہی ہوئی، گناہ ہوا اور میں نے توبہ کی، استغفار کیا اور مجھے یقین بھی ہے کہ
معاف کردی گئی لیکن ع زین شرم کہ تو دیدی کہ چہ کردم چہ کنم ؟
آپ نے مجھے وہ کام کرتے تو دیکھ لیا، تو باوجود معافی کے اس کی شرمساری باقی ہے اس کا
ہے "خشیت" اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ۔
یہ وعدہ ہے اور یہ خشیت ایمان کا تقاضا ہے کہ سب کچھ ان کے فضل وکرم سے ہے معاف کردیتے
لیکن ہم نے تو ان کی دی ہوئی نعمتوں کا انھیں کے سامنے نقصان کیا ہے اور خود کو ذلیل کیا ہے، یہ ندامت
پر غالب ہے ع زین شرم کہ تو دیدی کہ چہ کردم چہ کنم ؟
یہ شرم دامنگیر ہے اور اسی کا نام "خشیت" ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہوجاتی ہے اور یہ بڑے درجہ کی
ہے۔

آپ کے امور زندگی میں دفاتر میں، تجارت گاہوں میں عمداً یا سہواً ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں ان کا واحد علاج
توبہ اور ندامت ہے۔ جب عادت ڈالئے گا اس توبہ و ندامت کی تو توبہ کے اندر ایسی قوت ہے حفاظت ایمان کی
دوسری چیز میں نہیں۔ ایمان کے تقاضے جتنے ہیں ہمارے ذمے ہیں۔ ان میں جہاں جہاں بھی کوتاہیاں
ہیں استغفار اس کا واحد علاج ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ
اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔
یہ کہہ لیا تلافی ہوگئی۔ اب ندامت رہنے دیجئے ــــــــ تحقیق کرچکا کہ شریعت کے خلاف ہے، سنت
خلاف ہے۔ پھر کیوں کر رہا ہوں ؟ مغلوب ہوکر کر رہا ہوں۔ کس سے مغلوب ہوں ؟ نفس سے یا شیطان
۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ
شُرُوْرِ نَفْسِیْ وَمِنْ سَیِّئَاتِ عَمَلِیْ ۔ اگر نفس کے تقاضے سے حکومت کے قوانین

سے برادری کے پاس ولحاظ سے، اور اسی طرح امور زندگی سے مروتاً ہم سے غلطی ہوئی ہو ۔ سہواً ہوا ہو، خلاف ورزی ہوگئی ہو۔ شریعت کی یا سنت کی تو اس پر ندامت ہونی چاہیئے۔ استغفار کریجئے انشاء اللہ رفتہ رفتہ قوت آجائے گی مدافعت کی ۔

طالب چاہتا ہے کہ میرے نفس کی اصلاح ہو جائے وہ اپنی حالت دیکھ رہا ہے اس معصیت سے ایسا ڈر معلوم ہونے لگا ہے جیسے سانپ بچھو سے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ استحضار غالب آنے لگتا ہے تو بھائی سانپ اور بچھو کسی کے بھی سامنے آجائیں تو ان کے بچنے کی تدبیر کی ہی جاتی ہے ۔ مگر یہ کب ہوتا ہے؟ کثرتِ ذکر اللہ سے، رجوع الی اللہ سے۔ جب رجوع الی اللہ کی عادت پڑ جائیگی۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے خوف سے انشاء اللہ رفتہ رفتہ اصلاح ہوگی۔ اور تدریجاً ہوگی۔ دفعتاً نہیں ہوگی۔ جو کیفیت انہوں نے بتائی ہے تدریجاً ہی پیدا ہوتی ہے انہیں معاصی سے، نافرمانی سے، رذائل سے ایسا ڈر لگتا ہے جیسے سانپ اور بچھو سے اور کوئی دیدہ ودانستہ تو کٹواتا نہیں مگر نادانی سے سانپ ڈس لیتا ہے یا بچھو کاٹ لیتا ہے تو پھر اس کا تدارک کیا جاتا ہے۔ ہر زہر کا تریاق ہے ۔ اور گناہوں کا تریاقِ اعظم استغفار ہے۔

بقیہ ص ۹ سے آگے :- اسلام کا طریقۂ زندگی

پھر آپ نے مختلف قسم کے مالوں کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ ہم محسوس کرنے لگے کہ ضرورت سے زائد چیز میں ہم میں سے کسی کو کوئی حق نہیں ۔ (مسلم)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشعریوں کے اخراجات جنگ جب کم ہو جاتے تھے اور مدینہ میں رہنے والے ان کے اہل وعیال کا کھانا پینا بھی کم ہوتا تو ان کے پاس جو کچھ ہوتا اسکو کپڑے میں جمع کرتے پھر ایک برتن سے برابر آپس میں تقسیم کر لیتے ۔ وہ ہم میں سے ہیں اور ہم ان میں سے (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کیلئے کافی ہو جاتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے (مسلم)

اسلام کا طریقۂ زندگی

قرآن

(ترجمہ) اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو احتیاج ہی ہو (حشر)

(ترجمہ) اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت ہے. فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گذاری کے طلبگار) (دھر)

(ترجمہ) اور جو بڑا پرہیز گار ہے (اس سے بچا لیا جائیگا - اور جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو اور (اس لئے) نہیں (دیتا کہ) اس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اتارتا ہے بلکہ خداوند اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے (الیل

(ترجمہ) (مومنو!) جبتک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (راہِ خدا میں صرف کروگے اور جو چیز تم صرف کروگے خدا اسکو جانتا ہے (آل عمران)

حدیث

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا - اللہ کے نبیؐ! میں فقر و فاقہ کا مارا ہوں - آپؐ نے ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے پاس بھیجا کہ کچھ ہو تو لاؤ - انہوں نے کہلا بھیجا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغام حق دیکر بھیجا ہے پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے - اس کے بعد آپ نے دوسری بیوی کے یہاں بھیجا وہاں سے

یہی جواب آیا۔ حتیٰ کہ ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کے یہاں سے یہی جواب آیا، آپ نے
فرمایا آج کی رات کون اس شخص کی مہمانی کریگا ؟ حضرات انصار میں سے ایک صاحب نے فرمایا
اللہ کے نبی میں : چنانچہ اس شخص کو لیکر وہ اپنے خیمہ کی طرف گئے اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے مہمان کی ضیافت کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اہلیہ سے پوچھا کہ کیا
تمہارے پاس کچھ ہے ؟ انہوں نے جواب دیا نہیں صرف بچوں کا کھانا پکا ہوا ہے۔ ان انصار نے اہلیہ
سے کہا بچوں کو کسی طرح بہلا دو، اور جب وہ رات کو کھانا مانگیں تو کسی طرح بہلا پھسلا کر سلا دو اور جب
ہمارا مہمان کھانے کے لیے بیٹھے تو چراغ بجھا دو اور ہم مہمان پر ایسا ظاہر کریں گے کہ گویا ہم بھی کھانے میں شریک
ہیں۔ چنانچہ کھانے بیٹھے۔ مہمان نے کھانا کھایا اور ان دونوں نے بھوکے رہ کر وہ رات گذار دی۔ جب
صبح کو وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا آج کی رات اپنے
مہمان کے ساتھ تم دونوں کے سلوک سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوئے۔ (متفق علیہ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت بُنی ہوئی چادر لے کر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ اللہ کے نبی ص! آپؐ کو پہنانے کیلئے
یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر قبول فرمائی۔
اُس وقت آپ کو اُس کی ضرورت تھی۔ پھر وہی چادر زیب تن فرما کر ہم لوگوں کے درمیان
تشریف لائے۔ ایک شخص نے کہا یہ چادر آپ ہمیں عنایت فرمادیں۔ یہ تو بڑی خوبصورت ہے۔ آپؐ نے
فرمایا۔ ہاں۔ پھر آپ مجلس میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد واپس تشریف لے گئے اور چادر تہہ کر کے اس شخص
کو بھیجدی۔ لوگوں نے اس شخص سے کہا تم نے یہ اچھا نہیں کیا! آپ نے اس کو زیب تن فرمایا اور اس
وقت آپ اس کے حاجتمند تھے۔ تم نے حضورؐ سے یہ چادر مانگ لی حالانکہ تمہیں یہ معلوم ہے کہ حضور
صلے اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو واپس نہیں فرماتے۔ اس شخص نے کہا :۔
میں نے یہ چادر پہننے کے لئے نہیں مانگی بلکہ اس لئے مانگی کہ میرے مرنے کے بعد یہی میرا کفن ہو۔
حضرت سہل فرماتے ہیں کہ یہی چادر ان کا کفن بنی۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ
سفر میں تھے کہ اسی اثنا میں ایک اپنی سواری پر سوار ہو کر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ حضور ص
نے فرمایا جس کے پاس کوئی سواری فاضل ہو وہ اس شخص کو دیدے جسکے پاس سواری نہ ہو، اور جس کے
پاس ضرورت سے زیادہ زادِ راہ ہو وہ اس کو دیدے جسکے پاس زادِ راہ نہ ہو۔ (باقی بر صفحہ)

امیر محمد شمسی

بچے اور دعوت و تبلیغ

کسی بھی قوم کے بچے اس کا مشترکہ سرمایہ ہوتے ہیں جن سے اس قوم کی مستقبل کے عروج و اقبال کی تاریخ وابستہ ہوتی ہے۔ جس قوم کے بچے جسقدر زکی و ہوشیار، بلند روحانی و اخلاق صالح اور انقلابی عزائم کے علمبردار ہوتے ہیں اسی قدر اس قوم کے عروج و اقبال کا ستارہ بلند ہوتا ہے اور قوم انسانی دنیا پر اپنے صالح مزاج، غیر معمولی صلاحیتوں اور بلند و پختہ ارادوں کی بنا پر اپنی قیادت، تہذیب و ثقافت اور اخلاق کے گہرے نقوش ثبت کرتی ہے جسے مدتوں تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں کے لئے انکے ابتدائی دور کی روشن تاریخ ایک مثالی اور قابل رشک تاریخ ہے جب اسلام کا آفتاب اپنی پوری تابانیوں اور روحانی و اخلاقی جھلکیوں کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا اور عرب ایک طویل صحرانوردی و جہالت کے بعد میدانِ قیادت میں آ پہنچے تھے اور ساری دنیا ان کے ایمانی جذبے، سیاسی بصیرت، عسکری نظم، تمدنی ترقی، اولوالعزمی اور جفاکشی و قوت سے زبردست مرعوب ہو رہی تھی۔ دنیا کے بڑے فرمانروایانِ مملکت کے ایوانِ سیاست میں ہلچل پیدا ہو چکی تھی اور عرب ایک متحد و مضبوط انقلابی جماعت بن کر اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو کر سیلِ رواں کی طرح خطہ ارضی میں پھیل رہے تھے تو اس وقت تحریکِ اسلامی کی اشاعت و تبلیغ اور ریاست کی حدود کی توسیع کے سلسلہ میں ملتِ اسلامی کے ہونہار و معصوم اور بلند حوصلہ بچوں نے تاریخ کے ہر موڑ پر اسلامی لشکر کا ہاتھ بٹایا اور باوجود اپنی کمسنی کے انہوں نے وہ عظیم الشان خدمات انجام دیں جو تاریخِ اسلامی کا نہایت اہم زریں اور اہم ترین باب ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے چھوٹے بھائی حضرت عمیر رضؓ کا واقعہ احادیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ کہ جب مسلمان جنگِ بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی ترتیب و تربیت فرما رہے تھے اس وقت حضرت عمیر رضؓ ادھر اُدھر چھپتے ہوئے پھر رہے تھے۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے بھائی سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں نبی کریم

مجھے میری کمسنی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے روک نہ دیں اور میری زندگی کی سب سے عزیز ترین تمنا پوری نہ ہو سکے لیکن اسلامی لشکر کا معائنہ فرماتے ہوئے جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اس کم عمر بچے پر پڑی تو آپ نے کم عمری کی وجہ سے انہیں روکنے کی کوشش کی تو حضرت عمیر زار و قطار رونے لگے اسوقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی خلوص وللہیت، جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کی وجہ سے اجازت دیدی۔ حضرت عمیر پورے جوش و خروش کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور اسوقت تک سکون کا سانس نہیں لیا جب تک جام شہادت نوش نہ فرمالیا۔

ابوداؤد میں انہی کے ہمنام ایک دوسرے صحابی بچے کا ذکر آتا ہے کہ انہوں نے خیبر کی لڑائی میں شامل ہونیکی زبردست پیشکش کی اور کئی سرداروں سے اس سلسلہ میں سفارشیں بھی کروائیں۔ یہاں تک کہ آپ نے انہیں خیبر میں شریک ہونیکی اجازت دی اور ساتھ ہی ایک تلوار بھی عنایت فرمائی۔ راویوں کا بیان ہے کہ ان کا قد چھوٹا اور تلوار بڑی تھی جس کی وجہ سے وہ زمین میں گھسٹتی جاتی تھی۔ اس حال میں انہوں نے خیبر میں شریک ہوکر اپنی شجاعت وہمت اور عزیمت واستقامت کے بہترین جوہر دکھائے یہاں تک مسلمانوں کو خدا کے حکم سے فتح حاصل ہوگئی۔ حضرت عمیرؓ چونکہ ایک تو بچے تھے اور دوسرے غلام، اس لئے انہیں مالِ غنیمت کا پورا حصہ نہیں مل سکا بلکہ بطور عطیئے اور دلداری کے ویسے ہی کچھ سامان آپؐ نے انہیں دیا مگر اس کے باوجود ان کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ناگواری کے کوئی اثرات محسوس نہیں ہو رہے تھے۔

یہ واقعات تاریخ کے جس صفحہ پر ثبت ہیں آج تمام مسلمانوں اور خاص طور پر نوجوانوں ونئی نسل کے ہونہار فرزندوں کو دعوتِ فکروعمل دیتے ہیں، کہ وہ اپنے مقام اور نصب العین کو پہچانیں اور ہر باطل کو شکست دینے واحیاءِ دین کے لئے بھرپور کوشش کریں تاکہ دنیا میں ایک بار پھر ایمان واخلاق کی بہار آئے۔

بقیہ صفحہ ۱۱ سے آگے تاریخ اسلام کا ایک ورق

اس واقعہ کو غور سے سننے کے بعد حضرت امیر عسکری نے فرمایا واللہ ان الحبشی لذو امانۃ ولولا ماسبق لاھل بدر رضی اللہ عنہم لقلت انھم علی فضل اھل بدر (خدا کی قسم یہ شخص نہایت امانتدار ہے۔ اگر اہل بدر کی افضلیت ثابت نہ ہو چکی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ بھی ان کے برابر ہیں)۔

ہم موجودہ مسلمانوں کیلئے اپنے اسلاف کے ان کارناموں میں کوئی عبرت، کوئی سبق ہے کہ نہیں ہم ان مسلمانوں کی غیبی امدادوں پر تعجب کرتے ہیں۔ حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ انہوں نے کیونکر طغیانی میں آئے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کرلیا، عرب کے مٹھی بھر نہتے اور بھوکے وحشی کسریٰ جیسے باقاعدہ آہن پوش پر کیسے فتحیاب ہوگئے مگر ان حضرات کے کارناموں پہ نظر نہیں ڈالتے کہ ان میں خدا کی خشیت، اللہ کا خوف، اللہ پر بھروسہ کا یقین کس درجہ پر تھا جنکہ وہ بڑے بڑے مال وجاہ پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔ خدا کا کلمہ

حضرت مولانا عامر عثمانی رح

روح انتخاب

انفرادی اور اجتماعی دونوں دائروں میں اسلام کو جتنا نقصان مسلمانوں نے پہنچایا ہے اسلام کے دشمنوں نے نہیں پہنچایا ــــ دنیا قرآن وحدیث کا مطالعہ کرکے یہ فیصلہ نہیں کرتی کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ کتابوں میں مغز پاشی کرتا پھرے۔ دنیا تو کسی بھی قوم کے افکار وعقائد کے حسن وقبح کو اس کے کردار کی ترازو میں تولتی اور اس کے عمل کے پیمانے سے ناپتی ہے۔ اگر مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی عموماً ان اقدار و اصول کے رنگ سے خالی ہو جنھیں قرآن وحدیث نے مطلوب قرار دیا ہے اور ایسے نظریات وعقائد کی جھلکیاں اسمیں صاف نظر آرہی ہوں جو حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تو قدرتی بات ہے کہ دوسری قومیں اسلام سے بدظن ہونگی کیونکہ وہ اسکو وہی اسلام سمجھیں گی جس کی نمائندگی مسلمانوں کا اسوہ رہا ہے۔

مسلمان شراب پیتا ہے، سود بیتاہے، ریس کے گھوڑے دوڑاتا ہے، لاٹری کھیلتا ہے۔ حد ہے کہ وہ قوم پرستی اور وطن پرستی کا بھی مدعی ہے۔ پھر آخر اسلام کا صحیح تعارف ہو تو کیونکر ہو اور دیگر اقوام اسلام کو نہیں تو کیا سمجھیں۔ صحابہ کرام رض اصطلاحاً نہ مولانا تھے نہ شیخ نہ مصنف، نہ مقرر، اکثریت ان میں ایسے لوگوں کی تھی جو پڑھنا لکھنا تک نہ جانتے تھے۔ سادہ مزاج، سادہ پوش مگر وہ جدھر گئے اسلام ان کے ساتھ گیا وہ اسلام کے زندہ ترجمان تھے ان کے فعل وعمل سے قرآن وسنت والے اسلام کی نمائندگی ہوتی تھی لہذا قومیں کی قومیں اسلام کی گرویدہ ہوتی گئیں اور دیکھنے والوں نے آپ سے آپ یقین کرلیا کہ اسلام ایک بہترمذہب ہے انہوں نے خود آگے بڑھ کر اسلام کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا اور جنھوں نے نہیں ڈالا وہ بھی کسی غلط پروپیگنڈہ کے ذریعہ اسلام کو بدنام نہ کرسکے۔

مگر آج صورت حال یہ ہے کہ حدیث کی شرحوں اور قرآن کی تفسیروں کے تو انبار لگ گئے ہیں اسلام کے تعارف میں دفتر کے دفتر بازار میں سستی قیمت پر مل سکتے ہیں۔ مقررین ومناظرین کی کوئی کمی نہیں شیوخ و شدرین کی بھی بہتات ہے۔ لیکن کردار وعمل کا عالم اور ہی کچھ ہے۔ عوام ہوں یا خواص اپنے اپنے انداز میں سبھی وہ طور طریقے اپنائے ہوئے ہیں جن سے اسلام کی غلط نمائندگی ہوتی ہے۔

مولوی معظم علی صاحب

تاریخ اسلام کا ایک ورق

دریائے دجلہ کی وادی میں ایرانیوں اور مسلمانوں کی معرکہ آرا جنگ ہوتی ہے چونکہ ایران کا دارالسلطنت "مدائن" دریا کے اس پار نظروں کے سامنے ہے اس لئے مسلمانوں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہیں کہ ملک ایران کی تمام جنگوں کا فیصلہ ہے۔ ایرانی بھی جان توڑ کوشش میں لگے ہوئے ہیں گھمسان کا رن پڑ رہا ہے۔ کچھ ہی دیر میں جنگ کا نقشہ بدلا ہوا دیکھ کر ایرانیوں کو جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔ ایرانیوں کے سامنے مسلمان ہیں۔ جن کے نیزوں کی بھالوں، تلواروں کی دھاروں سے کہیں امن نظر نہیں آتا اور پشت پر دریائے دجلہ کی موجیں نگل جانے کو منہ پھاڑ رہی ہیں۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کے سامنے جھکنے سے اسی کو آسان سمجھا کہ اپنے کو دریا کے حوالہ کر دیں۔ جلدی جلدی کشتی بیڑی، ڈونگے جو کچھ بھی میسر آیا۔ انہیں تیار کر کے جتنے اپنی جان بچا کر نکل سکتے تھے ان کو چھوڑ کر نکل بھاگے۔ اتنے میں مسلمان تعاقب کناں دریا کے کنارے پہنچے۔ اتنے ایرانی دریا کے اس پار مدائن کی فصیل پر جا چڑھے اور لشکر اسلام کا تماشا دیکھنے لگے۔

مسلمان سوار نیزوں کو تولتے ہوئے دن رات گھوڑوں کو سرپٹ ڈالے دشمن کے تعاقب میں تیزی کے ساتھ آرہے تھے کہ سامنے کا راستہ دریائے دجلہ سے بند دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دم کے دم میں۔ ساٹھ ہزار مسلم سواروں کے گھوڑے دریائے دجلہ کے کنارے صف بستہ نظر آنے لگے ——— اب اس منظر کو دیکھئے۔ دارالسلطنت مدائن کی فصیل کے نیچے دریائے دجلہ اپنی تیزی اور طغیانی کے ساتھ ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کنارے پر ساٹھ ہزار مسلم سوار انگشت بدنداں، حیرت زدہ غصے میں بھرے ہوئے ہیں کہ دشمن ہاتھ سے نکل گیا۔ اور اپنے پاس دریا عبور کرنے کا سامان نہیں۔

مسلمانوں کے سپہ سالار لشکر اسلام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی بھی تھوڑی دیر میں دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہ نقشہ دیکھ کر۔ انہیں خواب یاد آگیا کہ مسلمان پا پیادہ دریائے دجلہ کو عبور کر رہے ہیں۔ سارے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ دشمنوں نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے، تم ان پر حملہ نہیں کر سکتے اور وہ جب چاہیں تم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ دنیا تم پر غالب آجائے

اور اسمیں ملوث ہونے سے تمہارے حالات بدل جائیں صدق و اخلاص میں کمی آجائے' اللہ کے واسطے کچھ کام کرلو اور وہ کام یہ ہے کہ اللہ کے بھروسہ پر گھوڑوں کو دریا میں ڈالکر دریا کو اسی حالت میں عبور کرلیا جائے۔ تمام کے تمام مسلم سواروں نے ایک زبان ہوکر بطیب خاطر جواب دیا" اللہ تعالیٰ آپ کے عزم میں برکت عطا فرمائے ہم سب مطیع اور تیار ہیں" اس سوال کے جواب کے فوراً بعد دیکھنے والوں کی آنکھوں نے دیکھا، کہ اسی سمندر کے دریائے دجلہ کی اٹھتی ہوئی موجوں اور زوروں کی طغیانی میں ساٹھ ہزار گھوڑے ایسی تیزی سے جارہے ہیں جیسے خشک میدان میں دوڑتے ہیں۔ حضرت سعدرض کی زبان سے شکر ہر مسلم سوار کی زبان پر یہ کلمات دعائیہ جاری تھے اور سب کے سب دریا کو بڑے اطمینان سے عبور کررہے تھے۔ نستعین باللہ و نتوکل علیہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل واللہ لینصرن اللہ ولیہ و لیظہر من عدوہ ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لشکر اسلام کے دریا میں داخل ہونے سے ایرانی بڑے خوش ہو ہو کر قہقہے لگانے لگے کہ عرب کے وحشی خشک ملک کے رہنے والے دریا کی موجوں کو کیا جانیں۔ جوش میں آکر دریا میں گھس تو گئے ہیں اب سب کے سب ڈوب جائیں گے، ہمارے اہرمن نے ہماری مدد کی ہے کہ ہمارے دشمن ہماری دیکھتی آنکھوں فنا ہوجائیںگے۔ لیکن جب یہ خدا پر بھروسہ کرنیوالا خدا کا لشکر جو اسی کا کلمہ بلند کرنے کے لئے گھروں سے سر پر کفن باندھکر نکلا تھا۔ دریا کو عبور کرتا ہوا فصیل کے قریب پہنچ گیا جو پہلے ہی دستہ کے نعرہ تکبیر سے تھرانے لگی۔ اور ایرانیوں کو ہوش آیا۔ اپنے جان و مال کی فکر پڑی۔ بہت سے" دیوان آمدند" "دیوان آمدند" کہتے ہوئے سروں پر پیر رکھ کر بھاگے۔ اس جلدی میں جس سے جتنا جلدی ممکن ہوا اپنا مال و متاع لیکر شہر سے نکلنے کی کوشش میں لگ گیا۔ لشکرِ اسلام پورے کا پورا ایران کے دار السلطنت میں بے روک ٹوک داخل ہوگیا۔ دشمن کے زن و مرد اسلام کی غلامی میں تھے اور مال و متاع اور مال و منال بیت المال کا ذخیرہ تھا۔ "مدائن" جیسا شہر مسلمانوں کے لئے اجنبی جگہ، گلی کوچے تو کیا سڑکوں سے بھی بے خبر تھے پھر بھی جس کسی مسلمان کو جو کچھ ملتا اس کو وہ اپنا تا نہیں تھا۔ اسلام کے مکمل قانون کی اطاعت کرتا تھا جس مسلمان کے ہاتھ جو مال آئے وہ لاکر ایک ہی متعین شخص کے پاس جمع کردیتا ایسے شخص کو جس کے پاس مال غنیمت جمع کیا جاتا ہے اس کو "صاحب اقباض" کہتے ہیں۔

اسی افراتفری اور نفسا نفسی میں ایرانی جان و مال بچا بچا کر بھاگ رہے تھے۔ جو مسلمان جس گلی کوچہ میں گھس گیا وہاں کے مال کا مالک ہوگیا۔ مگر کیا ممکن کہ ایک حبہ خیانت ہوئی ہو۔ رتی رتی مال صاحب اقباض کے پاس پہنچتا رہا۔ اسی سلسلہ میں دو چار مسلمان نہروان کے پُل پر پہنچ گئے۔

کیا دیکھتے ہیں کہ چند ایرانی ایک خچر کو جس پر دو صندوق لدے تھے دھکیلتے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔
مسلمان جو اس طرف کو لپکے تو ایرانی عرب کے دیووں کی صورت دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے خچر پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ان صندوقوں میں کچھ قیمتی پارچہ جات کچھ زیورات ہونگے۔ مگر صندوق کے کھولتے ہی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں کہ ارے ایران کا وہ بیش قیمت بلکہ انمول "تاج" تھا جس پر تمام ملک ایران کی کئی سالہ کل کی کل آمدنی خرچ کی گئی تھی جو کبھی کبھی عظیم الشان درباروں میں استعمال ہوتا تھا وہ "تاج" ہے اب مسلمانوں میں سے کسی ایک کے دل میں بھی یہ خطرہ پیدا نہ ہوا کہ اس بیش قیمت تاج کو کہاں "صاحب اقباض" کے پاس لیجائیں۔ لاؤ آپس میں تقسیم کرلیں۔ انہیں ایسا تو خطرہ نہیں گذرا اور وہ اس خچر کو اسی طرح لدا لدایا صاحب اقباض کی خدمت میں لے لئے اور کسی قسم کا تصرف نہیں کیا۔
(ایسے ہی دو دن میں جبکہ مسلمان صبح کا فریضہ ادا کرنے کے لئے بیدار ہو رہے تھے۔ ایک مسلمان نماز کی تیاری کے لئے اٹھا اور قضائے حاجت کے خیال سے ایک باغ میں گھس گیا صبح سپیدہ نمودار ہو رہا تھا مگر تارے چمک رہے تھے اور باغوں میں ابھی کافی اندھیرا تھا اسی صبح کے اندھیرے میں مسلمان نے اس باغ میں ٹھوکر کھائی جس چیز کی ٹھوکر لگی تھی اسے اٹھا کر دیکھا تو وہ ایک ڈبہ تھا اور وزنی ڈبہ تھا۔ اس خدا سے ڈرنے والے مسلمان نے اسکو کھولکر بھی نہ دیکھا کہ اس میں کیا ہے ادائے نماز سے پہلے ہی اسے بند کا بند لئے ہوئے صاحب اقباض کی خدمت میں پہنچا۔ صاحب اقباض کے اس کے سامنے ہی اس ڈبہ کو کھولا تو اس میں سے اس قسم کے جواہرات برآمد ہوئے کہ جسکو دیکھ کر عملہ کے تمام لوگ کہنے لگے (اب تک مال غنیمت میں اس کے لگ بھگ مال نہیں آیا اور جتنا آیا وہ سب ملکو بھی اس کے برابر نہیں ہے)
صاحب اقباض نے اس مسلمان سے دریافت کیا اس ڈبہ کے ملنے کے وقت اور بھی کوئی تھا اس نے کہا نہیں۔ پھر دریافت کیا تم نے اس میں سے کچھ نکالا ہے؟ تو قسم کھا کر کہا اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس ڈبہ کو تمہارے پاس تک نہ لاتا۔ نام دریافت کیا گیا تو جواب دیا "میں اپنا نام بھی نہیں بتلاؤنگا۔ تم خواہ مخواہ میری تعریف کروگے اور شہرت دوگے۔ میں صرف اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھکو یہ توفیق دی اور اسی سے ثواب کی امید رکھتا ہوں" یہ کہہ کر وہ مسلمان چلدیا صاحب اقباض نے آدمی بھیجکر پتہ لگوایا تو ان کا نام عامر بن قیس معلوم ہوا۔
صاحب اقباض نے جب امیر جیش حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے مال غنیمت فراہم ہونیکی رپورٹ پیش کی تو اس میں عامر بن قیس کے ڈبہ لانے کا واقعہ بھی من وعن سنایا۔ (باقی صلا پر دیکھئے)

اکرام اللہ ساجد

ایک ہی راستہ

حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی، حضرت، مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کے باعث میں جنت میں داخل ہوجاؤں ؟" تو آپؐ نے فرمایا "اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، فرض نماز قائم کر، زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھ !"۔ (یہ سُنکر) اس اعرابی نے کہا: "مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں ان اعمال میں نہ تو کچھ اضافہ کرونگا اور نہ ہی کچھ کمی !!" پھر جب وہ واپس جانے کے لیے مڑا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ اہلِ جنت میں سے کسی شخص کو دیکھے تو دیکھے تو اس (اعرابی) کو دیکھ لے"

(متفق علیہ)

اس حدیث رسول اللہؐ میں دین اسلام کو ایک نہایت سادہ اور آسان صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں اس دین کو ایسی سادگی کے معیار پر پورا اترنا تھا، وہاں اسے "دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ" کے لحاظ پر کسی بھی دور میں اٹھنے والی نت نئی شورشوں اور طرح طرح کے افکار و نظریات کے چیلنج کا نہ صرف مقابلہ و دفاع کرنا تھا بلکہ انھیں شکست سے دوچار اور مغلوبیت سے ہمکنار کرنا بھی تھا۔ چنانچہ گذشتہ ادوار میں اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنے کیلئے جس قدر بھی طوفان اٹھے اور نت نئے فتنوں نے جنم لیا سبھی اسلام کی آہنی چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوئے اور بالآخر اپنی موت آپ مر گئے ــــ بلاشبہ اس کامیابی کا سہرا انہی محبانِ اسلام کے سر ہے جنھوں نے مخالفین کو انفرادی و اجتماعی، معاشی و اقتصادی، سیاسی و معاشرتی، فکری و نظری، علمی اور عملی اور عقائد و نظریات کے بھی ہر میدان میں للکارا اور دعوت مبارزت دے کر انہیں ہزیمت سے دوچار کیا ــــ اور یہی وہ طائفہ منصورہ ہے کہ "تفقہ فی الدین" کی پرپیچ گھاٹیوں میں علم و عرفان کے گھوڑے انہوں نے اس تیزی سے دوڑائے کہ دوسروں کے لئے ان کی گرد کو پالینا تو کجا، انگشت بدنداں رہ جانے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا غیر مسلم دانشور، مفکر اور سیاستداں جب بھی اس

زعم میں مبتلا ہوا کہ وہ کسی بھی میدان میں حاملینِ اسلام کو شکست دے سکتا ہے، طبع آزمائی کے بعد خفت و ندامت سے دوچار ہوا، اور اس اعتراف پر مجبور بھی کہ وہ ابھی اس راستے کی ابتدائی منزلوں ہی سے ناواقف اور ناآشنا ہے ــ کیوں نہ ہو اہالیانِ اسلام لا الٰہ الا اللہ کی اس تلوار سے مسلح ہیں کہ جس کی کاٹ اپنی مثال صرف آپ ہے ــ اور ان کے پاس محمد رسول اللہ" کی وہ فراست و بصیرت موجود ہے کہ وار خالی جانے کا کوئی معنی ہی نہیں ــ توحید و رسالت اور کتاب و سنت ایسے ہی موتی ہیں کہ روئے زمین کے خزانے ان کے سامنے ہیچ ہیں ــ ایسے ہی راستے ہیں جن پر چل کر ڈگمگاہٹ کا کوئی احساس ہو ہی نہیں سکتا ایسے ہی ہتھیار ہیں کہ باطل قوتیں ان کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتیں ــ اور ایسی زبردست قوت ہیں کہ نتیجہ اس کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا: " لیظہرہٗ علی الدین کلہٖ ولو کرہ المشرکون"

اور آج پھر باطل قوتیں اسلام کے خلاف صف آرا ہیں، الحادی اور لادینی فتنے پھر سے اس کوشش میں مصروف ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اسلام کو نیچا دکھایا جا سکے۔ بلاشبہ ان کے پاس وہ بازو موجود نہیں جو اس میدان میں کامیابی کی ضمانت فراہم کر سکیں، لیکن اب انھوں نے مکاری کو ایک خطرناک اور مہلک ہتھیار کے طور پر آزمانا شروع کیا ہے ــ جنگ وہی ہے لیکن انداز بدل دیا گیا ہے۔ لغظی بحثیں، قانونی موشگافیاں فقہی ہیر پھیر، تفسیری مغالطے اور تاویل و تحریف انہی دشمنانِ دین کے اسلحہ خانے کے وہ تیر سنان ہیں جو اسلام ہی کی کمین گاہوں میں بیٹھ کر اسلام ہی کے قلعہ پر برسائے جا رہے ہیں ــ گویا اس فصیل کو نقب اسی کی پناہ گاہ حاصل کر کے لگائی جا رہی ہے لہٰذا شدید خطرہ ہے کہ اگر ان اسلام دشمنوں کو اسلام ہی کے حصار میں رہ کر کھل کھیلنے کا موقع اسی طرح حاصل رہا اور ان سازشوں کو بے نقاب نہ کیا گیا تو اس حصار کو اگر یہ نہ توڑ سکے تو کم از کم اس حد تک کمزور درہم درہم کر دیں گے کہ اس کی پناہ میں رہنے کے باوجود عامۃ المسلمین کی سلامتی ایمان کو خطرہ لاحق ہو جائیگا

ــــ اور دین و ایمان پر یہ حملے براہِ راست علی الاعلان بھی جاری ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے جنت میں داخلہ کیلئے جن اعمال کا ذکر فرمایا تھا، ان میں ایمان باللہ اور مانوت شرک سرفہرست ہیں لیکن افسوس کہ مسلمانوں میں شرک اپنی انتہائی سرحدوں کو چھو رہا ہے ــ خصوصاً جب سے محکمہ اوقاف نے "مزارات" کو اپنی تحویل میں لیا ہے۔ شرک اب سرکاری سرپرستی میں ہونے لگا ہے اور میلوں ٹھیلوں میں غیر اسلامی رسوم کو عقیدت کی آڑ میں جو فروغ حاصل ہوا ہے، نہ صرف اسلام کی گذشتہ تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی بلکہ سرکاری پشت پناہی سے اسی کو فروغ مل رہا ہے ـ اور ستم

ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ دینی اخبارات و جرائد میں اگر اس کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے تو ایسے فرقہ وارانہ اور قابل اعتراض مواد سے موسوم کر کے سینسر کے ذریعہ ان اخبارات کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اسلام کے نام لیوا کس طرح اسلام کی حفاظت کر سکیں گے۔ جبکہ نفاذِ اسلام کی اولین خشت عقیدۂ توحید کو دلوں میں راسخ کرنا شرک کی مکمل بیخ کنی ہے، کہ ہر نبی نے کسی بھی قوم کی اصلاح کے لئے اپنی دعوت و تبلیغ کا آغاز نکتۂ توحید ہی سے کیا ہے۔ لہٰذا حکومت اگر اپنی سرپرستی میں میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کر کے بالفاظ دیگر شرک کو سرکاری تحفظ بھی فراہم کرتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ نظام اسلام کو سمجھیں اور شرک و توحید کو ایک پلڑے میں نہ تولیں۔ کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھیں اور پرکھیں ۔۔۔ اسلام اور اپنے رسول ؐ کی تمناؤں کو پامال نہ کریں۔ ورنہ غیر شرعی افعال ایک سنگین مذاق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

"مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ"

اس بات کو اسلام کا نام لیوا طبقہ جس قدر جلد سمجھ جائیگا اسی قدر یہ بات نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں بھی اور خود اپنے حق میں بھی بہتر اور مفید ثابت ہوگی۔ ورنہ نتیجہ ناکامی تو درکنار تباہی اور ہلاکت کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۔۔۔ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ"

(وہ ہماری یہ صداء بصحرا ثابت نہ ہو تو زہے نصیب، کہ ان حالات میں سب سے گرانقدر ذمہ داری علماءِ اسلام کے سر ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر متحد ہوں اور دینِ اسلام پر ان چھپے اور کھلے دشمنوں کے مسلسل اور پیہم حملوں کا نہ صرف دفاع کریں بلکہ انہیں شکست و ہزیمت سے دوچار بھی کریں ۔۔۔ اور اس مقصد کیلئے جہاں تعلیم کے میدان میں "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ" کے موثر ہتھیار سے دوبارہ لیس ہوں وہاں دعوت و تبلیغ کے میدانوں میں بھی خالصۃً لوجہ اللہ نئے دلولوں اور جذبوں کے ساتھ اتر پڑیں۔ کہ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر وہ نہ صرف اپنے اسلاف کی قابلِ قدر روایات کو پھر سے زندہ کر سکتے ہیں، بلکہ کفر و شرک کے ہولناک ویرانوں کو شمع اسلام کی جگمگاتی روشنیوں سے بقعۂ نور بنا سکتے ہیں ۔۔۔ کیا عجب کہ آپ کی یہ کوششیں بر آئیں اور منزل آپ کے سامنے کھڑی مسکرا رہی ہو۔:۔

"لیظہرہ علی الدین کلہ و لو کرہ المشرکون"

پہلی قسط

دارالعلوم دیوبند کے دفاع میں

مولانا منظور نعمانی کا تعاقب

اور جائزہ

جنوری ۱۹۸۲ء کے شمارے میں ہم نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ ہم عنقریب مولانا منظور نعمانی کی ان تقریروں کا تنقیدی جائزہ لیں گے جو انہوں نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو بدنام کرنے کیلئے حوالہ قرطاس کی ہیں اور جن کے بڑے نتیجہ میں دارالعلوم دیوبند کو بھی تہمتوں اور ملامتوں سے دوچار ہونا پڑا ہے اعلان تو ہم کر ہی چکے تھے لیکن طبیعت اس بات پر بالکل آمادہ نہ تھی کہ

کہ منظور نعمانی کے خلاف کوئی محاذ قائم کیا جائے دراصل منظور نعمانی بھی اپنے ہی "پلے" کے آدمی ہیں ان کی خامیوں کو طشت ازبام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے مسلک کے تابوت میں کیلیں ٹھوکنے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ دیگر اہم مولانا منظور نعمانی کو اتنا بڑا آدمی نہیں سمجھتے کہ وہ جو کچھ فرمادیں اس کا دفاع اور تردید ضروری ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا منظور نعمانی کو جو شہرت عامہ حاصل ہے وہ اُن مناظروں

کا کرشمہ ہے جو وہ مختلف جماعتوں کے سربراہوں سے کر چکے تھے ان کی عام شہرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مختلف جماعتوں میں گھسنے اور نکلنے کے سنگین حادثات سے دوچار ہوچکے تھے۔ اور پھر جماعتوں کے دفاتر سے باہر آنے کے بعد انھوں نے کافی شور مچایا تھا۔ یہی شور و شغب ان کی عام شہرت کا ذریعہ بنا۔

جہاں تک ان کی لیاقت اور استعداد کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ عربی زبان کی شد بد سے واقف ہیں۔ احادیث رسول پر بھی ان کی کچھ نظر ہے اور قرآن حکیم کی تفاسیر بھی غالباً ان کے مطالعہ میں ضرور رہی ہونگی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ان میں کچھ دینی بصیرت بھی پیدا ہوگئی ہے لیکن بایں ہمہ ان کا شمار صف اول کے علماء میں کبھی نہیں ہوسکا۔ اور اس کی غالباً یہ وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی "نیت" کی اصلاح و تطہیر کے لئے کبھی کوئی جدوجہد نہیں کی ان کی عمر عزیز کا طویل حصہ دو ہی کاموں میں گذرا، اپنے قد کو بڑا ثابت کرنا اور دوسروں کے قد کو چھوٹا۔ وہ جس جماعت میں گئے اس حسرت و خواہش کے ساتھ گئے کہ وہ کسی طرح امیر کارواں بنا لئے جائیں۔ اور جب ان کی حسرت و خواہش پوری نہ ہوسکی تو وہ باہر آگئے اور انہوں نے اسی جماعت کے خلاف خوب جی بھر کے واویلا مچایا۔ کاش وہ ایک بار یہ سوچنے کی زحمت گوارا فرما لیتے کہ جماعت پہلے ہی سے مختلف قسم کے فتنوں کا شکار ہے اسے کسی نئے فتنے میں اُلجھا دینا بہت بڑا ستم ہے اتنا بڑا کہ مذہبی دنیا میں اس سے بڑے ستم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر وائے بدنصیبی انہوں نے کبھی اپنی کمزوریوں کو بھانپنے کی کوشش نہیں کی اگر ایک بار بھی وہ اپنے مزاج کا جائزہ لے لیتے، انہیں از خود اس بات کا اندازہ ہوجاتا کہ جو آئینہ وہ دوسروں کو دکھا رہے ہیں وہ تو خود ان کو دیکھنا چاہئے۔ اور جو داغ دھبے وہ دوسروں کے چہروں پر محسوس کر رہے ہیں وہ تو ان کے چہرے پر بھی کسی نہ کسی مقدار میں موجود رہیں۔

جہاں تک بے نفسی اور عاجزی کے مظاہروں کا مسئلہ تو یہ بات ثابت شدہ ہے کہ خود کو ننگ دین اور ننگ خلائق ثابت کرنا دوسرے فیشنوں کی طرح ایک فیشن بنا ہوا ہے۔ کچھ لوگ از راہ فیشن پتلون پہنتے ہیں کچھ از راہ فیشن چشمہ لگاتے ہیں کچھ از راہ فیشن شاعری کرتے ہیں بالکل اسی طرح کچھ لوگ از راہ فیشن خود کو

حقیر فقیر اور ذرہ بے مقدار ثابت کرتے رہتے ہیں حالانکہ انانیت اور "انا و لا غیری" کا بت بہر حال ان کے سینوں میں جلوہ گر رہتا ہے۔ ضروری نہیں کہ مولانا منظور نعمانی صاحب بھی اسی قماش کے آدمی ہوں۔ البتہ ان کی تحریروں اور قول و فعل کے تضاد سے اتنا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ "انانیت" کے جراثیم ان کے اندر خاصی مقدار میں موجود ہیں اور یہی انھیں زبان درازی پر مجبور کرتے ہیں۔ ورنہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایسا عالم دین و دنیا و آخرت کے مسائل سے کما حقہٗ واقف ہو اور جو جانتا ہو کہ مرنے کے بعد ذرے ذرے کا حساب کتاب ہونا ہے دوسروں کی پگڑی اچھالنے کو ایک مشغلہ بنا لے۔ اور پھر لاکھ سمجھانے پر بھی ٹس سے مس نہ ہو ــــ مولانا منظور نعمانی نے بہت سی اچھی جماعتوں سے بھی رابطہ قائم کئے لیکن چونکہ ان میں ذوقِ خود نمائی کا جذبہ بیکراں موجود تھا اس لئے وہ جلد ہی ان جماعتوں سے کنارہ کش ہو گئے ــــ دنیا میں تو انھیں سرخروئی نصیب نہ ہو سکی اور ممکن ہے کہ آخرت میں بھی سر بلندی نصیب نہ ہو سکے اس لئے کہ آخرت کی سرخروئی اور سربلندی تو ان لوگوں کے لئے وقف ہو گی جو اچھی جماعتوں کے ساتھ تعاون محض خدا کی خوشنودی کے لئے کرتے ہیں نہ کہ اس لئے کہ میں نمایاں ہو کر سامنے آجاؤں گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے مفلس قابلِ رحم ہیں حاضرین نے پوچھا کہ مفلس سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے جواباً فرمایا کہ وہ حضرات جو ڈھیر ساری نیکیاں کما کر دنیا سے جائیں گے لیکن آخرت میں پھر بھی ان کا دامن خالی ہو گا۔ محض اس لئے کہ انھوں نے دوسروں پر الزامات لگائے ہوں گے ــــ بے بنیاد باتیں دوسروں کی طرف منسوب کی ہوں گی اور ان کی توہین کر کے ان کے دل دکھائے ہوں گے۔ اس کے نتیجہ میں یہ ہو گا کہ ان کی نیکیاں ان کے اعمال میں منتقل کر دی جائیں گی جن کو مطعون کرنے کے یہ لوگ مرتکب ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اگر درست ہے تو پھر مولانا منظور نعمانی، جیسے افراد قابلِ رحم ہیں کہ جو ذرا ذرا سی شکایتوں پر الزامات کے لمبے چوڑے دفاتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ایک بار کسی کے خلاف زبان کھول کر پھر زبان بند کرنے کا نام ہی نہیں لیتے۔

مولانا منظور نعمانی نے اپنی زندگی میں

اپنے مدِ مقابل کو شکست دینے کے لئے کئی بار طبع آزمائی کی اور چونکہ لڑائی کے داؤ پیچ سے وہ بخوبی واقف ہیں اور امتِ مسلمہ کا عام مزاج بھی ان کے پیشِ نظر تھا اس لئے دنیاوی حد تک وہ ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے خلاف انھوں نے "فظوں" کی تحریک چلائی تو انہوں نے رسوا کرکے ہی چھوڑا مولانا مودودی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو مسلمانوں کے دل میں مولانا مودودی کی نفرت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مولانا محمد طیب صاحب کے پیچھے جب ہاتھ دھوکر پڑے تو کچھ نہ بھی تو اتنا تو کر ہی دیا کہ آج انکی شخصیت خاص نشانہ بن کر رہ گئی ہے جبکہ دارالعلوم دیوبند میں سر اُبھارنے والی بدعنوانیوں سے حضرت مولانا طیب صاحب کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ القصہ وہ جب بھی اکھاڑے میں اُترے کامیابی ان کے قدم چومنے پر مجبور ہوگئی ۔ لیکن آخر؟ کیا آخرت میں ہر وہ شخص کامیاب ہو جائے گا جو دنیا میں کامیاب مناظر رہ چکا ہو؟ جو دوسروں کو چاروں خانے چت کر دینے کے داؤ پیچ سے واقف ہو؟ بڑے چھوٹا اور چھوٹے کو بڑا غیر اہم کو اہم اور اہم کو غیر اہم ثابت کر دینا جس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہو؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو ہماری طالب علمانہ گذارش ہے کہ حضرت مولانا قاری طیب صاحب جیسے بزرگوں کی عظمت کو نشانہ بناتے وقت انھیں اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیئے ۔ اور یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ خدا کی مخلوق کو بار بار فریب دیا جا سکتا ہے لیکن خدا کو ایک بار بھی فریب دے دینا ممکن نہیں ہے ۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ خدا تعالےٰ کو "ننگ دین" اور ننگ اسلاف" جیسے سستے کھلونوں سے بہلایا جا سکے جس طرح ان کھلونوں سے اس کی سادہ لوح مخلوق کو خوب جی بھر کے بہلایا اور پھسلایا جا رہا ہے۔

مولانا منظور نعمانی کو چونکہ ہم "اعلیٰ ترین" سمجھنے کے خبط میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے لہٰذا ان کی تحریروں سے مذہب اسلام کو بڑا نقصان پہونچنے کا اندیشہ بھی ہمیں کبھی نہیں ہوا۔ فتنے ہر دور میں پھیلے اور فتنے ہر دور میں علمائے سوء ہی نے پھیلائے اور علمائے سوء میں سے کبھی کوئی ایک عالم بھی ایسا نہیں گذرا جو اپنا الگ ایک حلقہ نہ رکھتا ہو ۔ مگر اس کے باوجود حقائق ہمیشہ روزِ روشن کیطرح دمکتے رہے اور انھیں علمائے سوء کی اڑائی ہوئی

گرد دھندلا کرنے پر قادر نہ ہو سکی۔

معاذ اللہ ہم ایک منٹ کے لئے بھی اس بدعقیدگی کا شکار نہیں ہو سکتے کہ مولانا نعمانی کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سارے عالم پہ چھا جائیں گے اور ان کے پھیلائے ہوئے تذبذب کو دانتوں سے دبا لیں گے۔۔۔ الحمد للہ ایسا کمزور تصور ہمارے دل و دماغ کے قریب نہیں پھٹکا۔ ہم نے تعاقب اور جائزہ کا اعلان محض دارالعلوم دیوبند کی خیر خواہی کی وجہ سے کر دیا تھا۔ لیکن اعلان کے باوجود طبیعت تنقید کے لئے اس لئے آمادہ نہ تھی کہ وہ بھی اپنا ہی ایک گھٹنہ ہیں۔۔۔ انہیں سب کے سامنے کھول کر رکھ دینا کوئی قابل فخر بات نہیں۔۔۔ لیکن مشکل تو یہ پیش آئی جنوری وفروری کے شمارے میں اعلانِ عام ہوتے ہی قارئین کے خطوط موسلا دھار بارش کی طرح برسنے لگے۔ تقریباً سو خط ایسے موصول ہوئے جن میں مولانا منظور نعمانی کی طرف کچھ افسوسناک واقعات منسوب کر کے اس بات کی فرمائش کی گئی تھی کہ ان کے خلاف باقاعدہ اعتراض و تنقید کی ایک مہم چلائی جائے۔ ایک صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور حسن اتفاق سے تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن بھی ہیں وہ اپنے مکتوب میں یوں رقم طراز ہیں۔

> نعمانی صاحب کے منہ کو خون لگا ہوا ہے انہوں نے ماضی میں کئی آدمیوں کی پگڑی اچھالی ہے اس بار وہ قاری طیب صاحب کا خون چوسنے پر لگے ہوئے ہیں۔ اگر ان کا کوئی، بند و بست نہ کیا گیا تو انکی درندگی سے دوسری شخصیات کب تک محفوظ رہ سکیں گی۔

بے شک الفاظ بہت سخت ہیں لیکن حقیقت کے عین مطابق ہیں۔ مولانا منظور نعمانی نے اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں کو نوالہ بنایا ہے اور دوسروں کو رسوا کرنے کے ذوق نے انھیں آج اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ وہ جس تنے پر کھڑے ہیں اسی تنے کو کاٹنے کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور مرحوم شیخ چلی کی طرح سمجھ رہے ہیں اپنے آپ کو عقلمند۔

ایک صاحب جو اتفاق سے لکھنؤ ہی کے رہنے والے ہیں تحریر فرماتے ہیں۔

> منظور نعمانی کی سوانح عمری سے ہم لوگ واقف ہیں۔ یہ نسلاً منبرئی فروش ہیں جنہیں

عام فہم زبان میں کو تجرا بھی
کہا جاتا ہے، ان کا خاندان
شیعت سے بہت متاثر
ہے "

یہاں ہم انتہائی ادب و احترام کے ساتھ یہ عرض کریں گے کہ مولانا منظور نعمانی کا نسلاً سبزی فروش ہونا کوئی توہین کی بات نہیں ہے ـــ سبزی فروشوں میں نہیں اگر وہ موچیوں میں پیدا ہو جاتے تو بھی وہ خدا کے نزدیک اہم قرار پاتے اگر تقویٰ ان کے اندر موجود ہوتا ـــ جب قرآن حکیم میں صاف صاف فرما دیا گیا ہے کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا کے نزدیک وہی سب سے زیادہ محترم ہے جو تقویٰ میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اور جب خدا کے رسول نے ببانگ دہل یہ فرما دیا ہے کہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں تو پھر کسی نسل کو کمتر سمجھنا سلامت روی نہیں کہلا سکتا۔ یہ اعتراض کہ مولانا منظور نعمانی نسلاً سبزی فروش ہیں ایک واہی اعتراض ہے جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مکتوب نگار نسل پرستی پر یقین رکھتے ہیں ـــ جو ایک غیر پسندیدہ روش ہے البتہ مکتوب نگار کا یہ اطلاع دینا کہ مولانا منظور نعمانی کا خاندان شیعت سے متاثر ہے محل نظر ہے یہ بات اس سے پہلے بھی بارہا ہمارے کانوں میں پڑ چکی ہے کہ مولانا منظور نعمانی کا خاندان شیعت کے بارے میں نرم گوشہ رکھتا ہے ـــ اور یہی نہیں بلکہ خود مولانا منظور نعمانی، شیعوں کے ساتھ خاص قسم کے روابط قائم کئے ہوئے ہیں جو اہل نظر نگاہوں میں ہمیشہ کھٹکتے رہے سنا ہے کہ ماہنامہ الفرقان کا کاتب تک شیعہ ہے ـــ بہر حال یہ تمام چیزیں بد احتیاطی سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اس بد احتیاطی کا یہ مطلب نکالنا کہ مولانا منظور نعمانی شیعوں کو "بہت" سمجھتے ہیں خام خیالی کے سوا کچھ نہ ہوگا ـــ رہی خاندان کی بات تو اگر لکھنؤ میں رہنے بسنے کی وجہ سے ان کے اہل خاندان شیعوں کے بارے میں کچھ نرم پڑ جائیں یا حالات کی نزاکتوں کی وجہ سے ان کی بیاہ شادیاں شیعوں میں ہو جائیں تو ان باتوں کی ذمہ داری مولانا نعمانی کے کاندھوں پر نہیں ڈالی جا سکتی ـــ

ایک خط دیوبند سے ہی آیا ہے اس میں

لکھا ہے کہ ـــ

"مجلس شوریٰ کے تمام ممبران
کو اسعد مدنی نے خرید لیا ہے
مولانا منظور نعمانی جو خود کو بہت
پرہیزگار ثابت کرتے ہیں
ایک لاکھ میں فروخت ہوئے
ہیں ـــ ورنہ پھر کیا وجہ ہے کہ
وہ اسعد صاحب کے خلاف
کوئی بیان نشر نہیں کرتے
جبکہ اسعد صاحب سے ان کی
اس سے پہلے کبھی نہیں بنی"

گذشتہ سال جب اچانک دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے اپنا رویہ بدلا تو ہم جیسے گستاخوں کو بھی یہ شبہ ہوا تھا کہ شاید شوریٰ کے ممبران نیلام ہو گئے ـ لیکن اس سلسلہ میں ہماری اپنی ذاتی رائے یہ تھی کہ شوریٰ کے ممبران حسد کی آگ میں جھلس رہے ہیں اور قاری طیب صاحب سے ذاتی خصومت اور رقابت کی وجہ سے متصادم ہیں ـ البتہ عام، شہرت اسی بات کی تھی کہ شوریٰ کے ممبران بک گئے ـــ مولانا منظور نعمانی کا کتب خانہ دیوبند کے کئی کتب خانوں کا عرصۂ دراز سے مقروض رہا ماہنامہ الفرقان کی مالی پوزیشن بھی نارمل نہیں تھی اور اس کا اظہار وہ سال بھر پہلے ایک شمارے میں کر بھی چکے ہیں ـ لیکن، ابھی چند ہفتوں پہلے یہ ہوا کہ اچانک انہوں نے دھڑا دھڑ لوگوں کے قرض ادا کئے اپنے لڑکے کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی اور سنا ہے کہ پچاس ہزار روپے کی مالیت کا ایک پریس بھی خریدا وغیرہ اس طرح کے حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا منظور نعمانی کو یا تو غیب سے کوئی دولت ملی ہے یا پھر عوام کا دعویٰ مبنی بر صداقت ہے ـــ

ہمیں حیرت اس بات پر ہے کہ چالیس فی صد خط لکھنؤ سے آئے ـ یعنی مولانا نعمانی کے وطن سے جو اس بات کی علامت ہے کہ خاص لکھنؤ میں مولانا نعمانی کے مخالفین اور انھیں بڑا سمجھنے والے اچھی خاصی تعداد میں بستے ہیں ـ

لکھنؤ سے آنے والے بعض خطوں میں کچھ اس طرح کے انکشافات بھی کئے ہیں جنہیں پڑھ کر بہت صدمہ ہوا لیکن چونکہ مولانا نعمانی کے ذاتی عیوب کی اشاعت ہمارے مقصد میں شامل نہیں اس لئے اس طرح کے تمام خطوط کو نظر انداز کر کے ہم مولانا نعمانی اور ان کے کردار کا جائزہ لینے کی بجائے ان کی ان تحریروں کا جائزہ

ہیں گے جو دوسری شخصیات کے لئے
تھوڑا ثابت ہو رہی ہیں۔

مولانا منظور نعمانی کے اندر ایک مرض انتہائی شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے
دراصل وہ ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے
وہ اپنے بارے میں بلا کی خوش فہمی کا شکار ہیں۔ اسی خوش فہمی کے نتیجہ میں ایک بار وہ یہ دعویٰ کر بیٹھے تھے کہ دنیا میں چار عالم ہیں اور ان ہی میں سے ایک میں بھی ہوں۔ ان کی فطرت ثانیہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہر مضمون میں عاجزی وانکساری کی محفلیں سجاتے ہیں لیکن کچھ اس انداز میں کہ لوگوں پر ان کی بزرگی کا سکہ جم جائے
ان کا کوئی مضمون ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں " انانیت " اور " میں " کا تاثر نہ چھوڑا گیا ہو۔ بس یہی وہ مرض ہے جس نے انھیں بعض عظیم الشان لوگوں کی پگڑی اچھالنے پر مجبور کیا۔

الفرقان کا فائل یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کی زندگی کا طویل حصہ دوسروں کی عیب جوئی میں گذرا لکھنے لکھانے کے علاوہ بھی مناظروں اور مناقشوں سے انھیں خاص دلچسپی تھی۔ اور ہر ہفتہ کسی نہ کسی شخص کو چیلنج کرنا ان کے ضروری

پروگراموں میں شامل تھا۔ لیکن عالم سال کی تنقید و تنقیص کے بعد انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ میں مناظر بن کر مشہور عام تو ہو سکتا ہوں مقبول عام نہیں ہو سکتا تو انہوں نے اچانک خو کو " حقیر " " ناچیز " " خاکسار " " عا " ننگ دین " اور " ننگ اسلاف " کہ اور لکھنا شروع کر دیا۔ عوام تو بھئے ہی سادہ لوح ادھر مولانا منظور نعمانی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اُدھر مولانا نعما کا اسم گرامی اس زنگار خانہ کی دیوار پر رقم کر دیا گیا جبکی دیواروں پر دوسرے بزرگو کے اسماء مرتسم تھے۔ اسی کو کہتے ہیں خرچ بالانشین یعنی ہلدی لگے نہ پھٹکر اور رنگ آئے چوکھا۔

ہم جانتے ہیں کہ مولانا منظور نعمانی نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح جیسے اساطین امت نے اس [illegible] کیا ہے۔ لیکن اس زمرے م اور بھی بہت سے افراد آتے ہیں جنھ بزرگ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ دراصل وہ لوگ ہیں جو ہیں تو واقعتاً بزرگ لیک خود کو نمایاں کرنے کی جو " ترک " ہو ہے یہ اس سے واقف نہیں اور خود ک بزرگ ثابت کرنے کی یہ خواہش بھی

علامہ محمد سعید عابد

کوئی مسلمان لفظ جہاد سے بے خبر اور ناواقف نہیں۔ اس لئے کہ ان کی تاریخ کا قابل فخر حصہ وہی تو ہے۔ جو جہاد سے عبارت ہے ہماری تاریخ کے روشن ترین ابواب وہی ہیں جنہیں مجاہدین اسلام نے اپنے مقدس خون سے رنگین کیا ہے۔ اور جب سے ہم نے جہاد کو ترک کیا ہے۔ ذلت و نکبت ہمارے گلے کا طوق اور زوال و انحطاط ہماری پیشانی کا داغ بن کر رہ گئے ہیں ؎

یہی ہے موت جو تجھ سے بچھڑ کر ہم نے دیکھی ہے
وہی تھی زندگی جو تیری محفل میں گذار آئے

ہم سب جانتے ہیں۔ کہ جہاد جہد سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں۔ انتہائی کوشش کرنا۔ دین کی اصطلاح میں دنیا میں خدا کا کلمہ بلند کرنے اور خدا کی زمین پر خدا کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے اپنا تن من اور دھن غرض ہر قوت و صلاحیت کو کھپا دینے کا نام جہاد ہے۔

خالق خیر و شر نے اس جہان رنگ و بو کا خمیر ہی کچھ اس انداز سے اٹھایا ہے۔ کہ یہاں ہر لمحہ ایک کشمکش برپا کرتا ہے کشمکش حق اور باطل کے درمیان کشمکش خیر اور شر کے مابین کشمکش درست اور نادرست کے درمیان کشمکش حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

پھر اس کشاکش کا دائرہ عمل اس قدر وسیع ہے۔ کہ اقوام و ملل اور جماعتوں سے قطع نظر خود افراد بھی اپنی انفرادی حیثیت میں داخلی طور پر اس کشمکش سے دوچار ہیں۔

جس طرح کائنات کی مختلف کہکشاؤں میں کارفرما باہمی جذب و کشش کا عمل ایک نظر نہ آنے والے ذرے میں بھی الیکٹران کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ اسی طرح انسان کا ننھا سا دل جو بقول شاعر ایک قطرۂ خون سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اس معرکہ خیر و شر کی زبردست رزمگاہ ہے۔ جو اس عالم ناپیدا کنار میں برپا ہے۔ وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔

غالب نے اس داخلی کشمکش کی ترجمانی یوں کی ہے۔ ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے!

اب جو شخص اس داخلی کشمکش میں نفس کے شر کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ خارجی دنیا کے معرکہ خیر و شر میں خیر کا دست و بازو بالفاظ دیگر مجاہد ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص اس داخلی آویزش میں شر سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ وہ عالم خارجی میں متحرک یا معطل طور پر شر کا معاون و مددگار بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو دنیا کا کوئی متنفس اس رزم خیر و شر سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ ہم میں سے ہر شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر خیر یا شر میں سے ایک کا لازماً رکن ہے۔ اب یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ ہم مقاصد خیر و فلاح میں معاون بن رہے ہیں۔ یا دام شر و فساد کے نخچیر اور آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا وجود بھلائی کے کاز کو آگے بڑھانے میں ممد ہو رہا ہے۔ یا برائی کی نمنائیں بر لا رہا ہے۔ قرآن پاک کا یہ ارشاد ہر وقت ہمارے پیش نگاہ رہنا چاہیئے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (تعاون کرو نیکی اور تقوی کے کاموں پر لیکن گناہ اور

سرکشی پر تعاون نہ کرو۔)
میں ذکر کشمکش کا کر رہا تھا۔
جو یہاں ذرۂ بے مقدار سے لے کر
کائنات کی پہنائیوں تک اور ایک
دل ناچیز سے لے کر وسیع و عریض
عالم وجود کی گہرائیوں تک ہر لمحہ
اور ہر آن جاری ہے۔ نفسیات کا ایک
معمولی طالب علم بھی جانتا ہے۔
کہ انسان کی صلاحیتیں مقابلے اور
مسابقے ہی سے پروان چڑھتی اور
نکھار حاصل کرتی ہیں۔ تیغ خودی کی
دھار کشمکش ہی کی سان پر تیز سے
تیز تر ہوتی ہے۔ انسانی فکر اور
انسانی قوت کے ممکنات اور اس
کی (HIGHEST APPROAHC)
کا کھوج شدید اور کشمکش ہی کے
ذریعے لگایا جاسکتا ہے۔ بقول اقبال

گشت انساں را عدو باشد سحاب
ممکنانش را بر انگیزد ز خواب
سنگ رہ گرد و فشان تیغ عزم
قطع منزل امتحان تیغ عزم

اسی لئے مومن کو شر و فساد
کے خلاف جہاد کی بار بار تلقین کی گئی ہے
تاکہ اس کی قوتیں ٹھٹھر نہ جائیں۔ اس
کی صلاحیتیں زنگ آلود نہ ہو جائیں۔

بلکہ لحہ بہ لحہ سنورتی اور نکھرتی چلی جائیں
اور وہ ترقی کرتا کرتا اس مقام پر
پہونچ جائے۔ کہ اللہ کی برہان قرار
پائے جیسا کہ اقبال کہتا ہے

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

اسلام کے بنیادی فرائض پر اگر آپ
ذرا نظر غائر ڈالیں۔ تو آپ دیکھیں گے۔
کہ یہ سب تیاری جہاد کے مختلف مراحل
اور ذرائع ہیں۔ مومن بارگاہ قدس میں
دن میں کئی بار اپنا سر جھکاتا ہے۔ تو گویا
وہ زبان حال سے کہہ رہا ہوتا ہے۔ کہ
اے بار الہا! جو سر میں تیرے آستانے
پر ٹکا رہا ہوں۔ وقت آنے پر اسے
کٹا دینے سے کبھی دریغ نہ کروں گا۔
روزہ مومن کو داخلی دنیا (نفس) کی تسخیر
کی قوت بخشتا ہے۔ اور یہ داخلی دنیا
کی تسخیر دراصل خارجی دنیا کی تسخیر کی
تمہید ہے۔ زکوٰۃ مال و دولت دنیا کی
محبت کا قلع قمع کر کے اس میں ایثار
و قربانی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اور
حج کرتے ہوئے جب وہ لَا شَرِيكَ
لَكَ لَبَّيْكَ کا نعرہ لگاتا ہے۔ تو گویا
وہ اعلان کرتا ہے۔ کہ خدائے حقیقی کے
سوا دنیا میں جتنے مصنوعی خدا بنے بیٹھے

ہیں۔ ان کی نفی ہی نہیں کرتا۔ انہیں نیست و نابود کر دینے کا عزم بھی رکھتا ہوں۔ اگر دل میں یہ جذبات موجود ہوں۔ تو تمام عبادات روح سے خالی ہو کر محض رسوم رہ جاتی ہیں۔ اقبال نے ان اشعار میں اسی حقیقت کا شعور دلانے کی کوشش کی ہے ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ہمارے دل و دماغ میں ہر وقت یہ امر مستحضر رہنا چاہیئے، کہ ہم مسلمان ہیں وہ مسلمان جنہیں خیر کا نمائندہ اور کارندہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (تم بہترین امت ہو۔ جسے لوگوں کی خدمت و ہدایت کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو۔ اور بدی کو روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

جنگ ہر قوم کو لڑنا پڑتی ہے۔ کوئی غلبہ حرص کی بنا پر دوسروں پر چڑھ دوڑتا ہے۔ تو کسی کو اپنے بچاؤ کیلئے میدان میں کودنا پڑتا ہے۔ کسی کو اپنی قومی برتری کا جذبہ آمادہ پیکار کر دیتا ہے۔ تو کسی کو جوع الارض چین نہیں لینے دیتی۔ اور اسے فساد فی الارض پر اکساتی رہتی ہے۔ وہ ملکوں پر ملک کھائے چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کی بھوک کی تسکین نہیں ہوتی۔ ہمیں نہ صرف انہیں روکنا ہے۔ بلکہ انھیں ملیا میٹ بھی کرنا ہے۔ تاکہ انسانیت سکھ کا سانس لے سکے۔ مسلمان کی خصوصیت بھی ہے۔ اور فریضہ بھی کہ وہ اپنی نہیں کلمۃ اللہ کی سربلندی اور برتری کے لئے میدان جنگ میں اترتا ہے۔ وہ اپنے ملک وہ قوم کے غلبے کے لئے نہیں۔ غلبہ حق کی خاطر باطل کی قوتوں سے ٹکراتا ہے۔ اس آویزش و پیکار کے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تخت جم و کے

اور مسلمان یہ تخت جم و کے اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے شر و فساد کے خارزار کا قلع قمع کر کے یہاں امن و سکون اور خیر و فلاح کا گلزار کھلانے

ے لئے حاصل کرتا ہے جیسا کہ قرآن
بتاتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ
فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا
الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ
نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (یہ وہ لوگ ہیں
کہ اگر ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو
وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔
نیکی کا حکم کریں گے اور بدی کو روکیں
گے۔)

اور یہ وہ عظیم ترین مقصد ہے۔
جس کی خاطر جان دینے والوں کے
لئے موت کا تلخ گھونٹ آب حیات
کا جام شیریں بنا دیا جاتا ہے جس کا
سرور اسے جنت میں پہنچ کر بھی نہیں
بھولتا اور جب وہ شہید راہ حق زبان
حال سے کہتا ہے۔ کہ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو افلاک سے ندا آتی ہے۔ کہ ٹھیک ہے
یہی شان عبودیت کا تقاضا بھی ہے۔
تو اثر ایرٹ میں نہ آئے۔ مگر ہم ناقدرے
نہیں۔ قدر دان ہیں۔ اور ہماری قدردانی
کا اقتضاء یہ ہے۔ کہ یہ سننا بھی گوارا
نہ کریں۔ کہ تو مر چکا ہے۔
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ
وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔
بلکہ ہمیں تو یہ تک گوارا نہیں۔ کہ کسی
کے دل میں تمہارے فنا ہو جانے کا
خیال تک بھی نہ آئے۔
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ
رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ۔
حق کی خاطر جان دے کر تم نے
موت کو مسخر کر لیا ہے۔ تم فاتح موت ہو
ہمارے گرد و پیش رونما ہونے والے
واقعات جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ہم سے مطالبہ
کر رہے ہیں۔ کہ ہم آنے والے حالات
اور ٹوٹنے والی قیامتوں کا احساس
و ادراک کریں بین الاقوامی صورت
حال بھی پکار پکار کر ہم سے اس بات
کا تقاضا کر رہی ہے۔ کہ قوم میں روح
جہاد پھونکی جائے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں
کہ مسلمانان افغانستان دن رات
آتش و آہن کی بارش میں نہلائے جا رہے
ہیں۔ کیا درۂ خیبر کے پار کوندنے
والی سرخ بجلیاں ہماری آنکھیں کھولنے
کے لئے کافی نہیں۔ اے میری قوم کے
بے فکر نوجوان ذرا ہوش میں آ

طائر رنگیں نوا! فکر آشیانے کی بھی کر
بلبلیاں بیتاب ہیں۔ اس کو جلانے کے لئے
حیران ہوں کہ فلموں کے حسین
مناظر دیکھنے کی عادی آنکھیں عالم
بدامنی خوف و دہشت کا وہ ڈرامہ
کیسے دیکھ سکیں گی۔ جو پردہ اسکرین پر
نہیں۔ گلی کوچوں میں کھیلا جائے گا
سریلے اور رسیلے نغموں کے رسیا
کان گولیوں لوگوں اور بموں کے
دھماکوں کی تاب کیسے لا سکیں گے۔
اور تیر نگاہ سے گھائل ہو جانیوالے
نازم اندام سنسناتی ہوئی گولیوں
کا سامنا کیسے کریں گے۔؟
لہو مجھ کو رلاتی ہے۔ جوانوں کی تن آسانی
اہل افغانستان کی حالت زار
کا نقشہ نگاہوں میں لاتے ہوئے
ذرا سوچیئے کہ قرآن پاک کی یہ آیت کیا
کہہ رہی ہے؟ کسے کہہ رہی ہے؟
وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ
الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ
لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ
لَدُنْكَ نَصِيرًا۔
(اور تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم
اللہ کے راستے میں جہاد نہیں کرتے۔
جب کہ کمزور مرد عورتیں اور بچے
(بے بسی میں) پکار رہے ہیں۔ اے
اللہ ہمیں اس بستی سے نکال۔ جس
کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے
لئے اپنے پاس سے مددگار بھیج اور
اپنے پاس سے ہمارے لئے کوئی حمایتی
پیدا فرما۔)
کیا یہ سمجھ لیا جائے۔ کہ اس آیت
کے مخاطب دنیا سے نابود ہو چکے
ہیں۔ ہمارے لئے یہ ایک عظیم لمحہ فکر
یہ ہے۔
تفکروا و تدبروا!

عقل ـ انعامِ خداوندی

پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب

سب سے بڑا انعام جو بارگاہِ خداوندی سے ارضی خلیفہ انسان کو عطا ہوا ہے وہ عقل اور فہم ہے۔ انسانیت کا شرف عقل سے عبارت ہے۔ تکلیفاتِ شرعیہ کا مدار عقل پر ہے۔ صاحبِ عقل مکلّف ہے اور مجنون و دیوانہ سے ہر قسم کی ذمہ داریاں ساقط ہیں۔ انسان جتنا زیادہ عقیل وفہیم ہے اتنا ہی زیادہ اس کا درجہ اور مرتبہ بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افضل الناسِ اعقل الناس۔ بہترین انسان وہ ہے جو زیادہ عقل مند ہے دنیا میں کارِ خلافت انجام دینے کے لئے انسان کو عقل جیسے وسیلہ کی ضرورت ناگزیر تھی۔ انسان کی کارگزاری در حقیقت عقل وفہم کی کارگزاری سے عبارت ہے۔ دنیا میں انسان کا سارا عروج، ساری ترقیاں اور ساری فتوحات عقل وفہم کی رہینِ منت ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کو دو قسم کی عقل سے نوازا ہے۔ دین کی زبان میں ایک کو عقلِ معاش اور دوسری کو عقلِ معاد کہتے ہیں۔ فلسفی ایک کو عقلِ تجزیاتی اور استدلالی اور دوسری کو عقلِ کلی یا تخلیقی کہتے ہیں۔ صوفیاء کرام کی دلچسپی دوسری عقل سے زیادہ ہے وہ اس کو کشف یا وجدان سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعروں کا تعلق بھی دوسری

عقل سے زیادہ ہے۔ وہ اس کو دل اور عشق کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں ے

اک دانش نورانی ۔ اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

ان عقلوں کے رجحانات اور میلانات مختلف ہیں۔ پہلی عقل کا موضوع واقعات و حادثات کی طبعی مادی دنیا ہے دوسری کا موضوع ان واقعات کی عیاری اور اخلاقی حیثیت کا تعین کرنا ہے۔ ایک کا رُخ خارجی دنیا کی طرف ہے۔ وہ تسخیر کائنات پر مائل ہے۔ دوسری کا رخ عالم مثال کی طرف ہے وہ تقرب ذات حقیقت کی طرف مائل ہے[1] ایک کی ساری تگ و دو "کیا ہے" کے تحت آتی ہے دوسری کی ساری کدوکاوش "کیا ہونا چاہئے" کے تحت آتی ہے۔

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا:

العقل نور فی القلب، یفرق بین الحق والباطل؟

عقل ایک نور ہے قلب کے اندر جس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔

عقل استدلال عام حالات میں اکیس سال کی عمر میں بلوغت کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن عقل وجدانی چالیس کی عمر میں بالغ ہوتی ہے اور ساٹھ سال کی عمر میں پختگی کو پہنچتی ہے۔ کہتے ہیں جارج برنارڈ شا نے ولیم شیکسپیئر کو نا پختہ ذہن قرار دیا ہے کیونکہ اس کا انتقال سنتاون سال کی عمر میں ہو گیا تھا[2] عقل استدلالی میں ایک غبی آدمی سے لے کر حکیم و دانا تک سینکڑوں درجات اور مراتب ہیں۔ اسی طرح عقل وجدانی میں عام آدمی سے لے کر فنکاروں، شاعروں اور عارفین کاملین تک

---

[1] عقل استدلالی کے بیانات زمان و مکان، کمیت و کیفیت کے حدود میں دائر رہتے ہیں۔ عقل وجدانی کے بیانات اس محدودیت سے آزاد ہوتے ہیں۔

[2] غالباً اسی وجہ سے محقق طوسی ایک عالم کو چالیس سال کی عمر کے بعد اور پندرہ سال کے تدریسی تجربہ کے بعد قلم اٹھانے اور کتاب لکھنے کا حق دیتے ہیں۔

ہزار ہا درجات و مراتب ہیں
عقل استدلالی ہو یا عقل وجدانی دونوں کی آبیاری اسی عالم رنگ و بو میں ہوتی ہے۔ یہیں وہ مدارج عالیہ طے کرتی ہیں۔ جو کچھ فرق ہے وہ نقطۂ نظر کا ہے شئے ایک ہوتی ہے مختلف افراد مختلف سبق حاصل کرتے ہیں چمن میں گلاب کا پھول کھلا ہوا ہے ایک عطار دیکھ کر کہتا ہے اس کا گلقند بہت اچھا بن سکتا ہے۔ ایک شاعر اس کی نزاکت اور رعنائی میں اپنے محبوب کی جھلک دیکھ لیتا ہے

ے نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

ایک عارف اس کی حسن و رعنائی میں خالق کی صناعی کا عکس دیکھ لیتا ہے۔

ے برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار

سارا اختلاف نقطہ نظر کا ہے۔ نظر کے ارتقائی مدارج کا ہے اور تبحر علم کا ہے

ے آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

عقل استدلالی　انسان صرف ان سرگرمیوں و دلچسپیوں

کو مستقلاً اور دائماً جاری رکھتا ہے جن کا مبنیٰ اور اساس اس کی فطرت میں موجود ہے۔ جو روز ازل اس فطرت میں ودیعت کردی گئی ہے عقل استدلال کا مبنیٰ انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

"ہم نے انسان کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا" (دہر-۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان حواس خمسہ عطا کیے ہیں جو شعور کے لئے بمنزلہ دروازوں کے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"اس نے (اللہ نے) آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھا دیئے (بقرہ - ۳۱)

نام سیکھنے کے لئے ذہن کو کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً اشیاء کو محسوس کرنا، ذہن میں ان کے نقوش کا مرتسم ہونا۔ ان تصورات کو جدا جدا ناموں سے یاد کرنا۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تصور اور تخیل کی ذہنی قوتوں سے نوازا ہے۔ یہ قوتیں عقل حسی کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ گویا عقل حسی اور عقل تجزیاتی کی بنیاد اور اساس اللہ تعالیٰ نے

ع انسانی کی فطرت میں ودیعت کردی
ہے۔ حواس کے ذریعہ اشیا کا علم و
دراک حاصل کرنا تمام افرادِ بشری
ا خاصہ ہے۔ کوئی فردِ بشر اس نعمت
س سے محروم نہیں ہے۔ ادراک، تفکر
ور تدبر درحقیقت تصورات کے
لی اعلیٰ مراتب ہیں۔ عقل کی سرگرمی ہی
فکر اور تدبر ہے۔ زندگی کے معاملات
نسان اسی عقل کے وسیلے سے انجام
یتا ہے۔

انسانوں کی بہت بڑی اکثریت
بتدائی مرحلہ یعنی عقلِ حسی پر ہی قناعت
رلیتی ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کے مادی
احول میں ہی مگن رہتی ہے۔ لیکن ایک
لیل تعداد عقلِ حسی پر قانع نہیں رہتی
وہ مزید ترقی کرتی ہے اور عقلِ استدلالی
تک جا پہنچتی ہے۔ حواس جو معلومات
فراہم کرکے دیتے ہیں، عقلِ استدلالی
ان کا تجزیہ کرتی ہے، تحلیل کرتی ہے
مزید برآں پھر ان اجزا کو حسبِ منشا
نئے انداز اور نئے طریقوں سے
ترتیب دیتی ہے اس طرح وہ نئے
نئے نتائج اخذ کرتی رہتی ہے اور
نئی نئی معلومات دریافت کرتی رہتی
ہے۔ عقلِ استدلالی کا یہی وظیفہ ہے

یہ عقل نوعِ انسانی کے ہاتھوں
میں نہایت کارآمد وسیلہ ہے۔ اس کی
مدد سے انسان نے مادی اشیاء کو
سمجھا ہے۔ مادی ماحول کو مسخر کیا ہے
صدیوں سے نوعِ انسانی مادی اشیا کو
سمجھنے اور مادی ماحول کو مسخر کرنے
کے درپے ہے۔ اس طول طویل جدو
جہد کے نتیجے میں مادی اشیا سے متعلق
ایک عظیم الشان ذخیرہ معلومات نوعِ
انسانی کے پاس جمع ہوگیا ہے۔ اس
کے بل بوتے پر آج وہ خارجی مادی
ماحول پر حاکمانہ انداز میں قابض اور
متصرف ہے۔ آج وہ مادہ پر حکومت
کر رہا ہے، اس کو اپنے حسبِ منشا
استعمال کر رہا ہے۔ وہ ہوا میں اڑ رہا
ہے۔ وہ پانی میں تیر رہا ہے اور پہاڑوں
کے جگر چیر رہا ہے۔ علوم و فنون کی
عظیم الشان گرم بازاری، تہذیب و
تمدن کی حیرت انگیز چمک دمک اور
تصرف و اقتدار کا محیر العقول سررشتہ
سب اسی عقلِ استدلالی کا تیار کردہ
ہے۔ دنیا کی موجودہ بہار عقلِ استدلال
کی لگائی ہوئی ہے۔ آج ہر جگہ عقلِ
استدلالی کی حکمرانی اور بالادستی
ہے۔

سود کی حقیقت اور اس کے حرام ہونے کی حکمت

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

اس موضوع پر گفتگو سے پہلے
ایک بات پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھتا
ہوں، آج کل ربوا (سود) جو عام نظام تجارت
کا رکن اعظم اور عمود بن گیا ہے اس لئے
جب کتاب وسنت کی آیات وروایات
میں اس کی حرمت وممانعت سامنے
آتی ہے تو عام طبائع اس کی حقیقت
کو سمجھنے سمجھانے کے وقت اس کی
حرمت سے ہچکچاتی ہیں۔ اور حیلہ جوئی
کی طرف مائل ہوتی ہے۔ مجھے یہ عرض
کرنا ہے کہ بحث کا تجزیہ کرکے اس
کے ہر پہلو پر علیحدہ علیحدہ سچائی
کے ساتھ غور وفکر کرنا چاہئے غلط
ملط کرنے کا نتیجہ بحث کے الجھنے کے
سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں پر بحث
تین حصے ہیں۔

اول یہ کہ قرآن وسنت میں ربو
کیا حقیقت ہے اور وہ کن کن صور
پر حاوی ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ربا کی حرمت
ممانعت کس حکمت ومصلحت پر مبنی

تیسرے یہ کہ سود ربا کتنا ہی برا
لیکن آج کل کی دنیا میں وہ نظام معا
وتجارت کا رکن اعظم بن چکا ہے
اگر قرآنی احکام کے ماتحت اس
چھوڑ دیا جائے تو نظام بنک وتجار
کیسے چلے گا۔

اب سنئے کہ لفظ ربا عربی زبان

معروف لفظ ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے قبل جاہلیت عرب میں بھی یہ لفظ متعارف تھا۔ اور نہ صرف متعارف بلکہ ربا کا لین دین عام طور پر جاری تھا بلکہ سورۂ نساء کی آیت سے بھی یہ معلوم ہوا کہ ربا کا لفظ اور اس کے معاملات زمانہ تورات میں بھی معروف تھے اور تورات میں بھی اس کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ واخذھم الربوٰ وقد نھوا عنہ)

ظاہر ہے کہ ایسا لفظ جو زمانہ قدیم سے عرب اور اس کے قرب و جوار میں معروف چلا آتا ہے اور اس پر لین دین کا رواج چل رہا ہے اور قرآن اس کی حرمت و ممانعت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی خبر دیتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت پر بھی سود و ربا حرام کیا گیا تھا۔ اس لفظ کی حقیقت کوئی ایسی مبہم چیز نہیں ہو سکتی جس کے سمجھنے سمجھانے میں دشواریاں پیش آئیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب ۸ھ ہجری میں سورۂ بقرہ کی آیات ربا کی حرمت کے متعلق نازل ہوئیں تو صحابہ کرام سے کہیں منقول نہیں کہ ان کو لفظ ربا کی حقیقت سمجھنے میں کوئی اشتباہ پیش آیا ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے معاملات کی طرح اس کی تحقیق کی نوبت آئی ہو۔ بلکہ جس طرح شراب کی حرمت نازل ہوتے ہی صحابۂ کرام نے اس پر عمل کیا۔ اسی طرح ربا کی حرمت نازل ہوتے ہی ربا کے سب معاملات ترک کر دیئے، پچھلے زمانہ کے معاملات میں مسلمانوں کا جو ربا غیر مسلموں کے ذمہ واجب الادا تھا وہ بھی مسلمانوں نے چھوڑ دیا۔ اور جو غیر مسلموں کا مسلمانوں کے ذمہ واجب الادا تھا اور مسلمان نزول ممانعت کے بعد اس کو دینا نہیں چاہتے تھے۔ اس کا جھگڑا امیر مکہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ تو اس کا فیصلہ سورۂ بقرہ کی آیات میں آسمان سے نازل ہوا کہ پچھلے زمانہ کے بقایا ربا کا لین دین بھی اب جائز نہیں۔

اور اس میں چونکہ غیر مسلموں کو یہ شکایت کا موقع مل سکتا تھا کہ ایک اسلامی حکم شرعی کی وجہ سے ہمارا روپیہ کیوں مارا جائے تو اس کے

ازالہ کے لئے رسول اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ واضح کر دیا کہ اس حکم شرعی کا اثر صرف غیر مسلموں پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر بھی یکساں ہے اور سب سے پہلے جو سود کی رقم چھوڑی گئی وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ کی کثیر التعداد رقم تھی۔

الغرض رباء کی ممانعت ہونے کے وقت ربا کا مفہوم کچھ مخفی نہ تھا۔ عام طور پر معروف تھا۔ وہی رباء جس کو عرب رباء کہتے تھے اور اس کا لین دین کرتے تھے۔ قرآن نے حرام کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صرف اخلاقی انداز میں نہیں بلکہ قانون ملک کی حیثیت سے نافذ فرمایا البتہ بعض ایسی صورتوں کو بھی آپ نے رباء میں شامل قرار دیا جس کو عام طور پر ربا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ انھیں صورتوں کی تعیین میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اشکال پیش آیا اور انہی میں ائمہ مجتہدین کے نظریات میں اختلاف ہوا۔ ورنہ اصل رباء جس کو عرب رباء کہتے تھے نہ اس میں کسی کو اشتباہ کا موقع تھا، نہ اس میں کسی کا اختلاف ہوا۔

اب سنئے عرب کا مروجہ ربا کیا تھا؟ امام تفسیر ابن جریرؒ نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ جو رباء جاہلیت میں جاری تھا اور قرآن نے اسے منع کیا وہ یہ تھا کہ کسی کو ایک میعاد معین کے لئے قرض دے کر راس المال سے زائد مقررہ زیادتی لیتے تھے اور اگر میعاد مقررہ پر وہ قرض ادا نہ کر سکا تو مزید میعاد اس شرط پر بڑھا دیتے تھے کہ سود میں اضافہ کیا جائے۔ یہی مضمون حضرت قتادہ اور دوسرے حضرات ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے۔

(تفسیر ابن جریر ص ۶۳ ج ۳)

اندلس کے مشہور امام تفسیر ابو حیان غرناطی کی تفسیر بحر محیط میں بھی جاہلیت کے ربا کی یہی صورت لکھی ہے کہ ادھار دے کر اس پر نفع لینے اور جتنی مدت ادھار کی بڑھ جائے اتنا ہی سود اس پر بڑھا دینے کا نام ربا تھا، اس جاہلیت عرب کے لوگ یہ کہتے تھے کہ جیسے بیع و شراء میں نفع لینا جائز ہے اسی طرح اپنا روپیہ ادھار پر دے کر نفع لینا بھی جائز ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم نے اس کو حرام

قرار دیا اور بیع و ربار کے احکام کا مختلف ہونا واضح فرمایا۔

یہی مضمون تمام مستند کتب تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر اور روح المعانی وغیرہ میں معتبر روایات کے ساتھ منقول ہے۔

ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا۔ الرّبوا فی اللغۃ الزّیادۃ والمراد بہ فی الاٰیۃ کل زیادۃ لا یقابلھا عوض (ص، ا جلد س) یعنی ربار کے معنی اصل لغت میں زیادتی کے ہیں۔ اور آیت میں اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی مال نہ ہو بلکہ محض ادھار اور اس کی میعاد ہو۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ ربار کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معاملات بیع و شراء کے اندر ربا، اور دوسرا ادھار کا ربار اور جاہلیت عرب میں دوسری قسم ہی رائج اور معروف تھی کہ وہ اپنا مال کسی کو معین میعاد کے لئے دیتے تھے اور ہر مہینے اس کا نفع لیتے تھے اور اگر میعاد معین پر ادائیگی نہ کرسکا تو میعاد بڑھا دی جاتی تھی، بشرطیکہ وہ سود کی رقم اور بڑھا دیتے، یہی جاہلیت کا ربار تھا جس کو قرآن نے حرام کیا۔

امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں ربار کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں

ھو القرض المشروط فیہ الاجل وزیادۃ مال علی المستقرض۔

(یعنی وہ قرض ہے جس میں کسی میعاد کے لئے اس شرط پر قرض دیا جائے کہ قرض دار اس کو مال سے زائد کچھ رقم ادا کرے گا۔

حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کی تعریف یہ فرمائی ہے۔

کل قرض جر نفعًا فھو رباء

یعنی جو قرض نفع حاصل کرے وہ ربا ہے

یہ حدیث جامع صغیر میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ادھار دے کر اس پر نفع لینے کا نام ربا ہے جو جاہلیت عرب کے زمانہ میں رائج اور معروف تھا جس کو قرآن کریم کی آیت مذکورہ نے صراحۃً حرام قرار دیا اور ان آیات کے نازل ہوتے ہی صحابہ کرام نے اس کو چھوڑ دیا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قانونی خصوصیات میں اس کو نافذ فرمایا اس میں نہ کوئی ابہام تھا، نہ اجمال نہ اس میں کسی کو کوئی اشتباہ

اشکال پیش آیا۔

البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے مفہوم میں بیع وشرا کی چند صورتوں کو بھی داخل فرمایا جن کو عرب ربا نہ سمجھتے تھے۔ مثلاً چھ چیزوں کو بیع و شرا میں یہ حکم دیا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر ہونا چاہئے اور نقد دست بدست ہونا چاہئے اس میں کمی بیشی کی یا ادھار کیا گیا تو وہ بھی ربا ہے۔ یہ چھ چیزیں سونا چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور انگور ہیں۔

اسی اصول کے ماتحت عرب میں معاملات کی جو چند صورتیں مزابنہ[1] اور محاقلہ نام سے رائج تھیں۔ آیات ربا نازل ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ربا میں شامل قرار دے کر منع فرمایا۔ (ابن کثیر بحوالہ مستدرک حاکم، ص ۳۲۷ ج ۱)

اس میں یہ بات قابل غور تھی کہ ان چھ چیزوں کی خصوصیت یہ ہے، یا انکے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ان کے حکم میں ہیں۔ اور اگر ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے۔ کس کس صورت کو داخل ربا سمجھا جائے۔ یہی اشکال حضرت فاروق اعظم رض کو پیش آیا جس کو بنا پر فرمایا۔

ان آیۃ الربوا من آخر ما نزل من القرآن، وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبض قبل ان یبینہ لنا فدعوا الربوا والریبہ۔

(احکام القرآن، جصاص ص ۵۵۱۔

وتفسیر ابن کثیر بحوالہ ابن ماجہ ص ۳۲۸ ج ۱)

یعنی آیت ربا قرآن کی آخری آیتوں میں ہے، اس کی پوری تفصیلات بیان فرمانے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، اس لئے اب احتیاط لازم ہے۔ ربا کو

---

[1] مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو ٹوٹے ہوئے پھلوں کے بدلے میں اندازہ سے فروخت کیا جائے اور محاقلہ یہ کہ کھڑے کھیت کے غلہ گندم، چنا وغیرہ کو خشک صاف کئے ہوئے غلہ گندم یا چنے سے اندازہ لگا کر فروخت کیا جائے۔ اندازہ میں چونکہ کمی بیشی کا امکان رہتا ہے اس لئے اس کو منع کیا گیا ۱۲ منہ۔

تو چھوڑنا ہی ہے جس صورت
میں ربار کا شبہ بھی ہو اس کو
بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مراد معاملات بیع و شرار کی صورتیں اور ان کی تفصیلات ہیں جو جاہلیت عرب میں ربار نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ربا، میں داخل قرار دے کر حرام فرمایا، باقی اصل ربا، جو تمام عرب میں معروف و مشہور تھا اور صحابۂ کرامؓ نے اس کو چھوڑا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قانون نافذ فرمایا اور حجۃ الوداع کے خطبہ میں اس کا اعلان کیا، اس میں فاروق اعظم کو کوئی اشکال یا اشتباہ ہونے کا کوئی امکان نہیں، پھر جب فاروق اعظمؓ کو ربار کی جن خاص صورتوں میں اشتباہ پیش آیا تو اس کا حل یہ تجویز فرمایا کہ جن صورتوں میں ربار کا شبہ ہو ان کو چھوڑ دیا جائے۔

مگر حیرت ہے کہ آج بعض وہ لوگ جو یورپ کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور دولت مندی اور موجودہ نظام تجارت وغیرہ میں سود کے رکن بن جانے سے مرعوب ہیں انھوں نے فاروق اعظم کے اس ارشاد کا یہ نتیجہ نکالا کہ ربار کا مفہوم ہی مجمل رہ گیا تھا، اس لئے اس میں رائے کی گنجائش ہے، جس کے غلط ہونے کا کافی مواد سامنے آچکا ہے۔ احکام القرآن ابن عربی نے ان لوگوں پر سخت انکار کیا ہے جنھوں نے اس فاروقی ارشاد کی بنا پر آیات ربار کو مجمل کہا تھا۔

ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا۔

ان من زعم ان ھذہ الاٰیۃ مجملۃ فلم یفھم مقاطع الشریعۃ فان اللہ تعالیٰ اللہ ارسل رسولہ الیٰ قوم ھو منھم بلغتھم وانزل علیہ کتابہ تیسیرًا منہ بلسانہ ولسانھم والربا فی اللغۃ الزیادۃ والمراد بہ فی الاٰیۃ کل زیادۃ لا یقابلھا عوض۔

یعنے جس نے یہ کہا کہ آیت مجمل ہے، اس نے شریعت کی تصریحات کو نہیں سمجھا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو ایسی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ خود اسی قسم میں سے تھے انہی کی زبان میں بھیجا ان پر اپنی کتاب آسانی

کے لیئے ان ہی کی زبان میں نازل
فرمائی اور لفظ ربا کے معنی
ان کی زبان میں زیادتی کے
ہیں۔ اور مراد آیت میں وہ
زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں
مال نہیں بلکہ میعاد ہے۔

اور امام رازیؒ نے تفسیر کبیر
میں فرمایا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں
ایک ادھار کا ربار دوسرے نقد بیع
میں زیادہ لینے کا ربار۔ پہلی قسم وہ
ہے جو زمانۂ جاہلیت میں مشہور و
معروف تھی اور اہل جاہلیت اس
کا لین دین کرتے تھے اور دوسری
قسم وہ ہے جو حدیث نے بیان کی
کہ فلاں فلاں چیزوں کی بیع و
شرار میں کمی زیادتی ربار میں داخل
ہے۔

اور احکام القرآن جصاص
میں ہے کہ ربار کی دو قسمیں ہیں۔ ایک
بیع و شرار کے اندر اور دوسری بغیر
بیع و شرار کے اور زمانہ جاہلیت کا
ربار یہی دوسری قسم کا تھا اور اس
کی تعریف یہ ہے کہ وہ قرض جس
میں بحساب میعاد کوئی نفع لیا جائے
اور یہی مضمون ابن رشد نے بدایتہ
المجتہد میں لکھا ہے اور قرض اور
بدنقع لینے کے ربار کا حرام ہو
قرآن سنت اور اجماع امت
ثابت کیا ہے

امام طحاوی نے شرح معانی الآ
میں اس موضوع پر بڑی تفصیل
سے کلام کرتے ہوئے یہ بتلایا۔
کہ قرآن میں جو ربا مذکور ہے اس
جلی اور واضح طور پر وہ ربار مراد
جو قرض اُدھار پر لیا، دیا جا
اور اسی کو زمانہ جاہلیت میں ربا
جاتا تھا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی
علیہ وسلم کے بیان اور آپ
سنت سے دوسری قسم کے ربا
علم ہوا۔ جو خاص خاص اقسام بیع
شرار میں کمی زیادتی یا ادھار کر
کا نام ہے۔ اور اس ربار کے حرام
ہونے پر بھی احادیث رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم متواتر آئی ہیں
مگر اس قسم کے ربار کی تفصیلات
پوری واضح نہ ہونے کے سبب آ
میں بعض صحابۂ کرام کو اشکال پیش آ
اور فقہ کے اختلافات ہوئے۔
(معانی الآثار ص ۲۳۲ ج ۲)

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرمایا ہے کہ
ربا ایک حقیقی ہے اور ایک وہ جو بہ
حکم ربا ہے۔ حقیقی ربا قرض ادھار پر
زیادتی لینے کا نام ہے اور بہ حکم ربا وہ
ہے جس کا بیان حدیث میں آیا ہے
بعض خاص چیزوں کی بیع میں زیادتی
لینے کو ربا کہا گیا ہے اور ایک حدیث
میں جو آیا ہے لا ربا الا فی النسیئۃ
(رواہ البخاری) یعنے ربا صرف ادھار
میں ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ
حقیقی اور اصل ربا جس کو عام طور پر
ربا سمجھا اور کہا جاتا ہے وہ ادھار پر
نفع لینے کا نام ہے اس کے سوا جتنی
اقسام اس کے ساتھ ملحق کی گئی ہیں وہ
سب حکماً ربوا میں داخل ہیں۔

اس کی تفصیل سے چند چیزیں
واضح ہو گئیں۔

اول یہ کہ نزول قرآن سے پہلے
ربا ایک متعارف چیز تھی۔ قرض ادھار
پر بحساب میعاد زیادتی لینے کو ربا
کہا جاتا تھا۔

دوسرے یہ کہ قرآن میں حرمت
ربا نازل ہوتے ہی سب صحابہ کرام
نے اس ربا کو ترک کر دیا۔ اس کے
معنی سمجھنے سمجھانے میں کسی کو نہ
اشکال پیش آیا نہ اشتباہ۔

تیسرے یہ کہ رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے چھ چیزوں کے بارے
میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی باہمی
بیع و شراء میں برابری شرط ہے۔ کمی
بیشی ربا میں داخل ہے اور ان میں
ادھار کرنا بھی ربا میں داخل ہے۔ یہ
چھ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، جو،
کھجور، انگور ہیں۔ اور اسی قانون کے
تحت عرب میں مروجہ اقسام بیع
مزابنہ، محاقلہ وغیرہ کو حرام قرار
دیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس ارشاد میں چھ چیزوں کی بیع
و شراء میں کمی بیشی اور ادھار کو تو صراحۃً
ربا میں داخل کر کے حرام قرار دے دیا
گیا تھا۔ لیکن اس میں یہ بات محل
نظر و اجتہاد تھی کہ یہ حکم ان چھ چیزوں
کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری اشیا
میں بھی ہے اور اس کا ضابطہ کیا ہے
اس ضابطہ میں فقہاء نے اپنے اپنے
غور و فکر اور اجتہاد سے مختلف صورتیں
تجویز کیں اور چونکہ ضابطہ خود رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرمایا
تھا اس میں اشتباہ رہنے کے سبب
حضرت فاروق اعظم نے اس

اظہار افسوس کیا ہے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کا کوئی ضابطہ بیان فرما دیتے تو مشتبہ حالات میں اطمینان پیدا ہو جاتا اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جہاں ربا کا شبہ بھی ہو اس سے بچنا چاہیئے۔

چوتھے یہ معلوم ہوا کہ اصلی اور حقیقی ربا جس کو فقہا نے ربو القرآن یا ربو القرض کے نام سے موسوم کیا ہے وہی ہے جو عرب میں متعارف تھا یعنی قرض ادھار پر بحساب میعاد نفع لینا۔ دوسری قسم کے ربا جو حدیث میں بتلائے گئے ہیں۔ سب اسی ربا کے ساتھ ملحق اور اسی کے حکم میں ہیں۔ اور جو کچھ خلاف واختلاف امت میں ہوا وہ سب اسی دوسری قسم کے معاملات ربا میں ہوا۔ پہلی قسم کا ربا جو ربا القرآن کہلاتا ہے اس کے حرام ہونے میں پوری امت محمدیہ میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

اور آج کل جو ربا انسانی معاشیات کا مدار سمجھا جاتا ہے اور مسئلہ سود میں جو زیر بحث ہے وہ ربا ہے جس کی حرمت قرآن کی سات آیات اور چالیس سے زیادہ احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

ربا کی دوسری قسم جو بیع وشراء کے ضمن میں ہوتی ہے نہ اس کا رواج عام ہے نہ اس میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

یہاں تک یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن وسنت میں ربا کی حقیقت کیا ہے جو مسئلہ سود کی پہلی بات ہے۔

اس کے بعد دوسری بحث اس کی ہے کہ ربا کی حرمت وممانعت کس حکمت ومصلحت پر مبنی ہے اور اس میں وہ کون سی روحانی یا معاشی مضرتیں ہیں جس کی وجہ سے اسلام نے اس کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

اس جگہ پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا کی ساری مخلوقات اور ان کے معاملات میں ایسی کوئی چیز نہیں جس میں کوئی بھلائی یا فائدہ نہ ہو، سانپ، بچھو، بھیڑیا، شیر اور سنکھیا جیسے زہر قاتل میں بھی انسان کے لئے ہزاروں فوائد ہیں

کوئی برا نہیں قدرت کے
رخانے ہیں۔
چوری، ڈاکہ، بدکاری، رشوت
میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں
فائدہ نہ ہو، مگر ہر مذہب و ملت
ہر کتب فکر میں یہ دیکھا جاتا
ہے کہ جس چیز کے منافع زیادہ اور
ضرر کم ہیں ان کو نافع و مفید کہا
تا ہے۔
اور جن کے مفاسد و مضرات
زیادہ اور منافع کم ہیں ان کو مضرار
بے کار سمجھا جاتا ہے قرآن کریم
نے بھی شراب اور قمار کو حرام قرار
دیتے ہوئے اس کا اعلان فرمایا کہ
ان میں بڑے گناہ بھی ہیں اور لوگوں
کے کچھ منافع بھی، مگر ان کے گناہ کا
وبال منافع کے مقابلے میں بہت
زیادہ ہے، اس لئے ان چیزوں کو
اچھا یا مفید نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان
کو نہایت مضر اور تباہ کن سمجھ کر ان
سے اجتناب لازم ہے۔
ربا یعنی سود کا بھی یہی حال
ہے، اس میں سود خوار کے لئے کچھ
وقتی نفع ضرور نظر آتا ہے لیکن اس
کا دنیوی اور اخروی وبال اس نفع

کے مقابلہ میں نہایت شدید ہے۔
ہر چیز کے نفع نقصان یا مفاسد
و مصالح کا موازنہ کرنے میں یہ بات
بھی ہر عقلمند کے نزدیک قابل نظر
ہوتی ہے۔ اگر کسی چیز میں نفع محض
وقتی اور ہنگامی ہو اور نقصان اس
اس کا دیرپا یا دائمی ہو تو اس کو کوئی
عقلمند مفید اشیاء کی فہرست میں
شمار نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر
کسی چیز کا نفع شخصی اور انفرادی
ہو اور اس کا نقصان پوری ملت
اور جماعت کو پہونچتا ہو تو اس کو
بھی کوئی ہوشمند انسان مفید نہیں
کہہ سکتا، چوری اور ڈاکہ میں چور ڈاکو
کا تو نفع کھلا ہوا ہے مگر وہ پوری
ملت کے لئے مضر اور ان کے
امن و سکون کو برباد کرنے والا ہے
اسی لئے کوئی انسان چوری اور ڈاکہ
کو اچھا نہیں کہتا۔
اس تمہید کے بعد مسئلہ سود پر
نظر ڈالئے تو اس میں ذرا سا غور
کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں
سود خوار کے وقتی اور ہنگامی نفع
کے مقابلہ میں ان کا روحانی اور
اخلاقی نقصان اتنا شدید ہے کہ

وہ اس کو انسانیت سے نکال دیتا ہے اور یہ کہ اس کا جو وقتی نفع ہے وہ بھی صرف اس کی ذات کا نفع ہے، اس کا مقابلہ میں پوری ملت کو نقصانِ عظیم اور معاشی بحران کا شکار ہونا پڑتا ہے لیکن دنیا کا حال یہ ہے کہ جب اس میں کوئی چیز رواج پا جاتی ہے تو اس کی خرابیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اور صرف اس کے فوائد سامنے رہ جاتے ہیں اور اگرچہ وہ فوائد کتنے ہی حقیر و ذلیل اور ہنگامی ہوں اس کے نقصانات کی طرف دھیان نہیں جاتا اگرچہ وہ کتنے ہی شدید اور عام ہوں۔

رسم و رواج طبائع انسانی کے لئے ایک کلورا فارم ہے جو اس کو بے حس بنا دیتا ہے بہت کم افراد ہوتے ہیں جو چلتے ہوئے رسم و رواج پر تحقیقی نظر ڈال کر یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس میں فائدے کتنے ہیں اور نقصان کتنا۔ بلکہ اگر کسی کے متنبہ کرنے سے اس کے نقصانات سامنے بھی آ جائیں تو پابندی رسم و رواج ان کو صحیح راستہ پر نہیں آنے دیتے۔

سود و ربا اس زمانہ میں ایک دبائی مرض کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کا رواج ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اس نے انسانی فطرت کا ذائقہ بدل دیا ہے کہ کڑوے کو میٹھا سمجھنے لگی اور جو چیز پوری انسانیت کے لئے معاشی بربادی کا سبب ہے، اس کو معاشی مسئلہ کا حل سمجھا جانے لگا، آج اگر کوئی مفکر محقق اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو اس کو دیوانہ سمجھا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ ہے، لیکن وہ ڈاکٹر ڈاکٹر نہیں بلکہ انسانیت کا ڈاکو ہے جو کسی ملک میں وبا پھیل جانے کو اور علاج کے غیر موثر ہونے کا مشاہدہ کرنے کی بنا پر اب یہ طے کر لے کہ لوگوں کو یہ سمجھائے کہ یہ مرض مرض ہی نہیں بلکہ عین شفا اور عین راحت ہے، ماہر ڈاکٹر کا کام ایسے وقت میں بھی یہی ہے کہ لوگوں کو اس کی مضرت سے آگاہ کرتا رہے اور علاج کی تدبیریں بتاتا رہے۔

انبیاء علیہم السلام اصلاح خلق کے ذمہ دار ہو کر آتے ہیں۔ وہ کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتے ان کی بات سنے گا یا نہیں۔ وہ اگر لوگوں کے سننے اور ماننے کا انتظار کیا کرتے تو ساری دنیا کفر و شرک ہی سے آباد ہوتی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا ماننے والا اس وقت کوئی تھا جب کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تبلیغ و تعلیم کا حکم منجانب اللہ ملا تھا؟

سود ور با کو اگرچہ آج کی معاشیات میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا ہے لیکن حقیقت وہ ہے جو آج بھی بعض حکمائے یورپ نے تسلیم کی کہ وہ معاشیات کے لئے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں پیدا ہو جانے والا ایک کیڑا ہے جو اس کو کھا رہا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل کے اہل علم و فن بھی کبھی رسم و رواج کے تنگ دائرہ سے آزاد ہو کر اس طرف نظر نہیں کرتے اور سینکڑوں برس کے تجربے بھی ان کو اس طرف متوجہ نہیں کرنے کہ سود و ربا کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عام خلق خدا اور تمام ملت فقر و فاقہ اور معاشی بحران کا شکار ہو اور وہ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں اور چند سرمایہ دار پوری ملت کے مال سے فائدہ اٹھا کر بالیوں کہئے کہ ملت کا خون چوس کر اپنا بدن بڑھاتے اور پالتے چلے جائیں اور حیرت ہے کہ جب کبھی ان حضرات کے سامنے اس حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کو جھٹلانے کے لئے ہمیں امریکہ اور انگلینڈ کے بازاروں میں لے جا کر سود کی برکات کا مشاہدہ کرانا چاہتے ہیں اور یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ سود و ربا کی بدولت کیسے پھلے اور پھولے ہیں لیکن اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مردم خوروں کی کسی قوم اور اس کے عمل کی برکات کا مشاہدہ کرانے آپ کو مردم خوروں کے محلہ میں جا کر یہ دکھلائے کہ یہ کتنے موٹے تازے اور تندرست ہیں اور اس سے یہ ثابت کرے کہ ان کا یہ عمل بہترین عمل ہے۔

بقیہ ۔ مولانا منظور نعمانی کا تعاقب

نہیں کرتے اس لئے کہ ان کی بزرگی خالصتاً اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے ۔عوام انہیں بزرگ سمجھیں یا عامی انہیں اس سے کوئی غرض نہیں یہ تو عوام کی مدح وذم اور تعریف وتضحیک سے بے پرواہ ہوکر اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں ۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے دور حیات میں مولانا منظور نعمانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے گرویدہ تھے ور اس وقت ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس دنیا میں مولانا مودودی کے سوا اسلام کی صحیح تصویر کھینچنے والا اور کوئی ہے ہی نہیں ۔اس عقیدے نے انہیں مولانا تھانوی کی صحبتوں سے باز رکھا ور نہ عین ممکن تھا کہ حضرت تھانوی کی مجلسوں میں بیٹھکر ان کی یہ بیماری رفع ہو جاتی جو آج تک دوسروں کے لئے ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے ۔وہ اپنی ذات کو اہم نہ سمجھتے تو مختلف جماعتوں میں جانے اور پھر واپس آنے کی نوبت ہی نہ آتی ۔انہوں نے بارہا اپنی ہی زبان سے اپنی تعریفوں کا فریضہ انجام دیا ہے ۔یہ فریضہ اسی احساس برتری کا شاخسانہ ہے کہ جو احساس کمتری کی کوکھ سے پیدا ہوتا ہے ۔اس کے چند نمونے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے تاکہ مضمون کا اگلا حصہ سمجھنے میں آسانی رہے ۔

نمونہ نمبر ۱ مولانا نعمانی کہتے ہیں کہ

میں فیس داخل کرکے دارالعلوم
کے مطبخ سے کھانا لیتا تھا کسی
وظیفہ کی شکل میں بھی کبھی کوئی
مادی نفع دارالعلوم سے میں
نے طالب علم کے زمانہ میں بھی
نہیں اٹھایا (ماہنامہ الفرقان)

اس عبارت میں مولانا منظور نعمانی نے اپنے طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے ازراہِ فخر یہ وضاحت کی ہے کہ مادی اعتبار سے دارالعلوم دیوبند کا مجھ پر کوئی احسان نہیں نہ میں نے کبھی دارالعلوم سے کھانا لیا اور نہ ہی میں نے کبھی دارالعلوم سے اپنا کوئی وظیفہ مقرر کرایا ۔

واضح رہے کہ مولانا منظور نعمانی آج سے ساٹھ سال پہلے دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے اس وقت دارالعلوم دیوبند کا دستور یہ تھا کہ مستحق طلبا میں سے ۴۳ فی صد کو کھانا او وظیفہ دیا جاتا تھا باقی طلبہ بجٹ کی کمی کی وجہ سے محروم رہ جاتے تھے ۔اگر مولانا نعمانی اپنے وعدے میں سچے بھی ہوں تو بھی یہ کوئی خصوصیت اور انفرادیت کی بات نہیں

دارالعلوم کو قائم ہوئے تقریباً ایک سو اٹھارہ سال ہو چکے ہیں اس عرصہ میں ان طلباء کی تعداد اسّی ہزار سے بھی زائد ہے جنہیں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے کسی طرح کی کوئی امداد نہیں ملی۔ اس صورتِ حال کے ہوتے ہوئے مولانا منظور نعمانی کا یہ فرمانا کہ ہیں نے کبھی مادی نفع دارالعلوم سے نہیں اٹھایا کسی خصوصیت اور امتیاز کا حامل نہیں ہوسکتا۔ جبکہ یہ بات ایک کھلا ہوا جھوٹ بھی ہے۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ایک سو اٹھارہ سال میں جتنے طلباء نے دارالعلوم میں رہکر علم کی تحصیل کی ہے ان سبھی نے دارالعلوم سے روحانی فیض حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مادی نفع بھی حاصل کیا ہے مادی نفع کھانے اور وظیفے ہی تک محدود نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کی اور بھی بہت سی شاخیں ہیں پانی، رہائش کے لئے کمرے پڑھنے کے لئے کتابیں روشنی کا بندوبست وغیرہ جیسی چیزیں مادی منفعت میں داخل ہیں جن سے دورانِ تعلیم میں ہر طالب علم مستفیض ہوتا ہے اور مولانا منظور نعمانی بھی ضرور مستفیض ہوئے ہوں گے۔ پھر مولانا منظور نعمانی نے یہ دعویٰ کیوں فرمادیا کہ ہیں نے کبھی دارالعلوم دیوبند سے کوئی مادی نفع نہیں اٹھایا ظاہر ہے کہ محض اس لئے تاکہ لوگ ان کی خود داری اور غیرت مندی کے قائل ہوجائیں۔ اور اُن کے مُریدین یہ سب کچھ سنکر حیرت زدہ رہ جائیں اور باہم ایک دوسرے سے یہ کہیں کہ ہمارے شیخ کی بھی عجیب شان ہے دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم رہے لیکن دارالعلوم دیوبند کا کوئی احسان اپنے سر نہیں لیا۔

مذکورہ بات کسی بھی اعتبار سے قابلِ ذکر نہیں ہے لیکن مولانا منظور نعمانی نے اپنی خصوصیات میں شامل کرانے کے لئے اسے بطورِ خاص بیان کیا ہے۔ اور اس کی گہرائی میں جائے بغیر کچھ طبیعتیں فرطِ حیرت و حسرت سے جھوم جھوم گئی ہوں گی۔ (جاری)

(٭)

خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں

(مینجر)

THE TAJALLI MONTHLY
Deoband-247554 (U.P.)